ستمگر
سنجیدہ خاتون

منیجر کے کمرے سے رمیش نکلا تو اُس کے چہرے پر حسب معمول سکون اور اطمینان تھا۔ لنچ ٹائم تھا اس لئے دفتر میں سبھی لوگ لنچ کر رہے تھے اور گپ شپ بھی۔ ایک کلرک نے رمیش کی طرف دیکھ کر اپنے ساتھی سے کہا۔ ''بڑے میاں بڑے پُرسکون نظر آ رہے ہیں شاید اچھا مال ہاتھ لگ گیا ہے۔''

دوسرا کلرک منہ بنا کر بولا۔ ''مجھے لگتا ہے تم سارے دن سوتے رہتے ہو۔ ہم رمیش بابو کو پچھلے پچیس برسوں سے اسی طرح مطمئن دیکھ رہے ہیں، ان کے چہرے پر ہمیں کبھی تشویش یا پریشانی کے آثار دکھائی نہیں دیئے۔ تبھی بتاؤ انہیں پچپن سال کا کون کہہ سکتا ہے۔''

''کیا؟'' پہلا کلرک حیرت سے کہنے لگا۔ ''میں تو انہیں چالیس پینتالیس سے زیادہ کا نہیں سمجھتا۔ کوئی جڑی بوٹی کھاتے ہوں گے یہ جوان نظر آنے کے لئے۔''

''سب سے بڑی جڑی بوٹی بے فکری ہے۔ جب میں نیا نیا یہاں نوکر ہوا تھا تو رمیش بابو کے پاس کار تھی۔ ان کے جسم پر عمدہ لباس ہوتا تھا اور ہاتھ میں بریف کیس۔ اُس وقت بھی ان کے چہرے پر ایسا ہی سکون ہوا کرتا تھا۔ اب تو یہ زیادہ تر پیدل چلتے ہیں۔ کہیں دُور جانا ہو تو لوکل ٹرین میں جاتے ہیں اور معمولی لباس پہنتے ہیں۔ مگر پھر بھی ان کے رویئے میں کوئی فرق نہیں پڑا جیسے اب بھی یہ پہلے کی طرح خوش حال ہوں شاید یہی ان کی صحت کا راز ہے۔

''کیا اکیلے ہیں'' ایک کلرک نے پوچھا۔

''نہیں، بیوی ہے ایک بیٹی اور ایک بیٹا بھی ہے۔ ایک بات پر بہرحال مجھے بھی حیرت ہوتی ہے کہ رمیش بابو اپنے گھر کا خرچ کس طرح چلاتے ہیں۔'' پہلے کلرک نے جواب دیا۔ ''آج کل ان کے پاس جو پالیسیاں ہیں، ان کا پریمیم پانچ سو روپے

ماہوار بنتا ہے۔''

''تو پھر ان کا گزارہ کس طرح ہوتا ہے؟ کوئی دوسرا دھندا تو نہیں کرتے؟''

''نہیں، صرف یہی کام ہے ان کا۔'' پہلے کلرک نے بتایا۔''دیکھ لو، پھر بھی کتنے خوش ہیں۔''

رمیش ان لوگوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن چکا تھا۔ وہ اُن کے پاس آیا اور مسکرا کر بولا۔''آپ سب لوگ میری ایک بات گرہ میں باندھ لیجئے، ہر حال میں خوش رہنا سیکھ لیں، اسی میں کامیابی کا راز ہے۔ دراصل ہم لوگ دوسروں کی قیمتی کاروں اور عالی شان بنگلوں کو دیکھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ یہ سب ہمارے پاس کیوں نہیں ہے۔ اگر ہم جھونپڑیوں میں رہنے والوں پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ہم اُن سے کہیں بہتر ہیں۔

اچانک منیجر کے کمرے سے چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ کسی ایجنٹ پر برس رہا تھا۔ اُس ایجنٹ نے دو ماہ پہلے دل کے ایک مریض کو پالیسی دلوائی تھی جو مر گیا تھا۔ اب کمپنی کو دو لاکھ روپے ادا کرنے تھے۔ سب اُس طرف متوجہ ہو گئے اور رمیش چپ چاپ باہر نکل گیا۔

بس اسٹاپ پر لمبی لائن تھی۔ رمیش پنواڑی کے پاس گیا اور اُس سے کہا۔''پنواڑی جی! آپ کے پاس پانچ سو کے نوٹ کا کھلا ہے؟ دراصل مجھے بس میں جانا ہے اور نوٹ بندھا ہوا ہے، کنڈیکٹر اس کا کھلا نہیں دے گا۔''

''کھلا تو میرے پاس بھی نہیں ہے۔'' پنواڑی نے جواب دیا۔''ایسا کریں، آپ یہ بیس روپے لے لیں، جب کھلے ہو جائیں تو واپس کر دیجئے گا۔''

پنواڑی برسوں سے رمیش کو جانتا تھا اس لئے یہ پیشکش رمیش کو غیر معمولی نہیں لگی۔ پھر بھی اُس نے پانچ سو کا نوٹ پنواڑی کی طرف بڑھا دیا۔

''ارے ارے، رہنے دیں۔'' پنواڑی ہاتھ اُٹھا کر کہنے لگا۔''میں کہاں رکھوں گا اسے۔''

رمیش نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور بیس روپے لے کر چل دیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ بس میں سفر کر رہا تھا۔ بس میں اُس کا ایک دوست بشن لال مل گیا تھا۔ رمیش نے

اُس کا بھی ٹکٹ لے لیا۔ اُسے معلوم تھا کہ بشن لال کو کہاں تک جانا ہے۔ اکثر بشن لال اُسے دفتر سے واپسی میں سفر کے دوران مل جاتا تھا۔

ٹکٹ لے کر رمیش نے کنڈیکٹر کی طرف پانچ سو کا نوٹ بڑھا دیا تو کنڈیکٹر نے ''کھلا دیو'' کہہ کر نوٹ نہیں لیا۔

رمیش نے بشن لال کی طرف دیکھا تو اُس نے کرایہ دے دیا۔

سفر جاری رہا اور بشن لال اپنے اسٹاپ پر اُتر گیا۔ رمیش کو بھی اگلے اسٹاپ پر اُترنا تھا اس لئے وہ سیٹ سے اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ایک جیب کترے نے ہاتھ کی صفائی دکھانی چاہی اور رمیش کے قریب آ گیا۔ حلیے ہی سے رمیش نے اُسے پہچان لیا اور محتاط ہو گیا۔ جیب کترے کو کامیابی نہیں ہوئی اور رمیش اپنے اسٹاپ پر اُتر گیا۔ گھر کے قریب ہی چھوٹی سی ایک مارکیٹ تھی، رمیش اُس میں داخل ہو گیا۔

مارکیٹ میں ایک دُکان پر پہنچ کر رمیش نے پانچ کلو آٹا لیا اور دُکاندار کی طرف پانچ سو روپے کا نوٹ بڑھا دیا۔

''ارے رمیش بابو! پانچ سو کا نوٹ وہ بھی مہینے کے آخر میں۔ میرے گلے میں تو دو سو روپے بھی نہیں ہیں۔'' دُکاندار بولا۔

''معاف کرنا۔'' رمیش نے کہا۔''یہ آٹا واپس رکھ لو، میں نے خواہ مخواہ تمہیں تکلیف دی۔''

''آپ بھی کمال کرتے ہیں رمیش بابو! آپ سے میں نے آٹا واپس کرنے کو کب کہا ہے؟ آپ کوئی نئے گاہک ہیں کیا کہ اتنے سے روپوں کے لئے میں آپ سے آٹا واپس لے لوں گا۔ مجھے وہ وقت یاد ہے جب آپ کار میں آتے تھے اور ہزاروں روپے کا سودا نقد لے جاتے تھے۔'' دُکاندار کہنے لگا۔

''ہاں بھئی کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں۔'' رمیش نے یہ کہتے ہوئے ٹھنڈا سانس بھرا۔

''رمیش بابو! آپ جیسے ہر حال میں خوش رہنے والے لوگ زیادہ دن پریشان نہیں رہ سکتے۔'' دُکاندار کے لہجے سے خلوص کا اظہار ہو رہا تھا۔''لگتا ہے بھگوان آج کل آپ کا امتحان لے رہا ہے۔ آپ کیونکہ نیک اور شریف آدمی ہیں اس لئے مجھے اُمید

ہے کہ آپ اس امتحان سے کامیاب گزر جائیں گے۔''

رمیش اُس دُکاندار کا شکریہ ادا کر کے سبزی والے کی طرف بڑھنے لگا۔ سبزی فروش سے سبزی لے کر بھی رمیش نے اُسے پانچ سو روپے کا نوٹ دکھایا۔ سبزی والا بھی ''بعد میں دے دیجئے گا'' کہہ کر دوسرے گاہک کے لئے آلو تولنے لگا۔

سودا لے کر رمیش آگے بڑھا اور ایک جگہ رُک کر اُس نے جیب سے ڈائری نکالی۔ ڈائری میں وہ نوٹ کرنے لگا کہ آج کس کس سے اُدھار لیا ہے۔ پھر اُس کے قدم اپنے گھر کی طرف اُٹھنے لگے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اُدھار اب خاصا بڑھ گیا ہے، اب اسے اُتارنے کی بھی کوئی صورت نکالنی پڑے گی۔

✡......✡
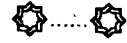
انوپ اپنی گیلری میں آنکھوں سے دُور بین لگائے کھڑا تھا۔ اُس کی نظریں ایک بھکاری پر جمی ہوئی تھیں۔ بھکاری کے جسم پر لمبا سیاہ لبادہ اور سر پر سیاہ کپڑا بندھا تھا۔

یہ رمیش کا نوجوان بیٹا تھا۔ اُس کا جسم تو جوانی کی حدود میں داخل ہو چکا تھا مگر ذہنی طور پر ابھی وہ ایک بچہ ہی تھا۔ جب سے اُس نے یہ سنا تھا کہ ملک میں غیر ملکی دہشت گرد داخل ہو گئے ہیں، وہ ہر شخص کو شک و شبے کی نظر سے دیکھنے لگا تھا۔ اُسے جاسوسی کا خبط تھا اور خود کو جیمس بانڈ سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ بھکاری کو دیکھ کر وہ بڑبڑا رہا تھا۔

''یہ تو مجھے بہت خطرناک لگتا ہے۔ ضرور سیاہ لبادے کے نیچے سوٹ ہو گا۔ اس کی داڑھی اور مونچھیں بھی نقلی ہوں گی۔ یہ کوئی دہشت گرد ہے یا پھر دشمن کا جاسوس ہے۔''

معاً دُور بین کے سامنے دوسرا آدمی آ گیا جو پان کھا رہا تھا۔ اُس نے پچکاری ماری تو بے وقوف انوپ کو یوں لگا، پچکاری اُس کے اوپر آ رہی ہے۔ وہ ہڑبڑا کر پیچھے ہٹا تو چوکھٹ سے ٹکرا کر گر گیا۔ اُس کی ماں سلوچنا کو گرنے کی آواز سنائی دی تو آواز دے کر پوچھا۔ ''کیا ہوا؟...... کون گرا ہے؟''

''گھر میں گرنے کو اس وقت اور کون ہے ماں!'' انوپ اُٹھتے ہوئے زور سے بولا۔ ''میں ہی گرا تھا اور اب اُٹھ چکا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اُس نے دور بین دوبارہ آنکھوں سے لگائی تو بھکاری جا چکا تھا۔ اُس کی جگہ اُسے رمیش نظر آ رہا تھا۔

اسی عرصے میں سلوچنا اُس کے پاس آ گئی اور پوچھنے لگی۔ ''کہیں چوٹ تو نہیں

لگی؟''

''نہیں ماں، مگر وہ...... وہ غیر ملکی ایجنٹ غائب ہو گیا جو......''

سلوچنا نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ''تیرا تو دماغ خراب ہو گیا ہے!...... تجھے ہر آدمی مشتبہ دکھائی دیتا ہے۔ لگتا ہے کسی روز مجھ پر اور اپنے پتا جی پر شک کرنے لگے گا۔ ہر وقت دُور بین آنکھوں سے لگائے یہاں گیلری میں کھڑا رہتا ہے۔''

''دیکھ لینا ماں، کسی روز میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ پھر دنیا تم کو ایک مہان جاسوس کی ماں کہے گی۔ ارے یہ کیا؟...... یہ آدمی تو بالکل ڈیڈی کی طرح دکھائی دے رہا ہے!'' انوپ چونک کر بولا، پھر اپنی ماں سے پوچھا۔ ''کیا ڈیڈی کا کوئی جڑواں بھائی بھی تھا؟...... جیسا کہ فلموں میں ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ ڈیڈی کا وہ جڑواں بھائی کسی میلے یا ہسپتال میں اپنے خاندان سے بچھڑ گیا ہو!''

''یہ کیا بکواس کر رہا ہے تو؟'' سلوچنا سخت لہجے میں بولی۔ ''جو منہ میں آتا ہے بکنے لگتا ہے۔''

''بکواس نہیں کر رہا میں!...... تم خود ہی دیکھ لو!...... یہ لو دُور بین!'' انوپ نے دُور بین اُس کی طرف بڑھائی۔ ''ڈیڈی کا ہم شکل، شرما انکل سے باتیں کر رہا ہے۔''

''مجھے بغیر دُور بین کے بھی نظر آتا ہے۔'' سلوچنا نے انوپ کا ہاتھ جھٹک دیا اور اُس طرف دیکھنے لگی جدھر انوپ اشارہ کر رہا تھا۔ چند لمحے بعد اُس نے انوپ کو مخاطب کیا۔ ''بے وقوف! وہ تیرے ڈیڈی ہی ہیں، اُن کا کوئی ہم شکل نہیں۔''

اُسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ سلوچنا تیزی سے دروازے پر پہنچی۔ اُس نے دروازہ کھولا تو سامنے لکشمی کھڑی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں کچھ سامان بھی تھا۔ وہ اندر آ گئی اور بولی۔ ''سلوچنا بہن! ذرا سا نمک دے دو ورنہ تو آج پھیکا ہی سالن کھانا پڑے گا۔''

''کیوں، کیا تمہارے شوہر کو پھر شراب پینے کا دورہ پڑ گیا ہے؟''

''ہاں بہن، جو کچھ کماتے ہیں، شراب میں اُڑا دیتے ہیں۔ اگر کھانا نہ ملے تو مارتے ہیں۔ اسی طرح شراب خریدنے کے لئے پیسے نہ دو تو مار پیٹ پر اُتر آتے ہیں۔''

‘‘مگر تم اس طرح مانگ تانگ کر کب تک گھر چلاؤ گی؟’’ سلوچنا نے لکشمی سے ہمدردی کا اظہار کیا۔

‘‘تو پھر کیا کروں!...... جوان بیٹی کا ساتھ ہے۔ بھوکی رہ سکتی ہوں مگر اُسے تو......’’ لکشمی کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

‘‘میں تو کہتی ہوں کہ ایسے حرام خور شوہر پر لعنت بھیج دو...... چھوڑ دو اُسے! اُس کی حرکتوں کا اثر تمہاری بیٹی پر بھی تو پڑ سکتا ہے۔’’ سلوچنا بولی۔

‘‘اگر میں شوہر کو چھوڑ دوں تو سب سے زیادہ اس کا اثر میری بیٹی ششی ہی پر پڑے گا۔’’ لکشمی اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہنے لگی۔ ‘‘مرد کو برا کوئی نہیں کہتا، سب عورت ہی میں کیڑے نکالنے بیٹھ جاتے ہیں۔ طلاق یافتہ عورت کو سماج بری نظر سے دیکھتا ہے۔ کوئی یہ نہیں سوچتا اور نہیں پوچھتا کہ طلاق کی نوبت کیوں آئی؟ قصور مرد کا تھا یا عورت کا؟...... اگر میں نے طلاق لے لی تو پھر میری بیٹی کو کون پوچھے گا؟ بس اس کا گھر بس جائے تو میں شوہر سے چھٹکارا حاصل کر لوں۔’’

‘‘مگر اب بھی تمہاری بیٹی کو کون پوچھ رہا ہے۔ سترہ برس کی تو ہو گی پھر بھی میں نے تو سنا نہیں کہ اُس کا رشتہ آیا ہو۔’’ سلوچنا نے کہا۔

‘‘بہن! سترہ برس بھی کوئی عمر ہے؟’’

‘‘تمہارے جیسے گھر میں یہ عمر بھی بہت ہے...... تم کہو تو میں اُسے اپنی بہو بنا لوں؟’’ سلوچنا نے پیشکش کی۔

‘‘کیا؟’’ لکشمی چونک اُٹھی۔ ‘‘تمہارے بیٹے انوپ سے بیاہ کر دوں اپنی لاڈلی کا؟’’

‘‘کیوں، کیا برائی ہے میرے بیٹے میں؟’’ سلوچنا کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔

‘‘دسویں کلاس میں تین بار فیل ہوا ہے۔ مجھ سے کیا چھپا ہے!...... کوئی کام نہ دھام، ہر وقت گھر میں پڑا رہتا ہے۔ مفت کی روٹیاں توڑ رہا ہے۔’’ لکشمی نے کوئی لگی لپٹی نہیں رکھی۔ ‘‘اُس نکھٹو سے تو میں ہرگز اپنی بیٹی کی شادی نہیں کروں گی۔’’

‘‘ٹھیک ہے، پھر سجا کے رکھو اپنی پھول جیسی بیٹی کو گلدان میں۔’’ سلوچنا نے آنکھیں نکالیں پھر ہاتھ نچا کر بولی۔ ‘‘یاد رکھو، کوئی چپراسی یا چوکیدار بھی ایک شرابی کی بیٹی کو قبول نہیں کرے گا۔ میرا بیٹا فیل ہو گیا تو کیا ہوا، دیکھ لینا ایک دن بہت بڑا

جاسوس بنے گا۔’’

‘‘میری ششی سترہ سال کی عمر ہی میں بارہ کلاسیں پاس کر چکی ہے اور تمہارا بیٹا اُنیس برس میں میٹرک بھی نہیں کر سکا۔ ششی تو فیشن ڈیزائننگ کا کورس بھی کر رہی ہے۔ بہت اچھا رشتہ آئے گا اُس کا۔’’ لکشمی نے بڑے پُر اُمید لہجے میں کہا۔

‘‘اچھا تو جاؤ، کہیں کوئی رشتے لے کر آنے والا واپس نہ چلا جائے۔’’ سلوچنا نے یہ کہہ کر کچن میں آ گئی اور بڑبڑائی۔ ‘‘تھوڑا سا نمک دے دینا، بڑی آئی کہیں کی!’’

‘‘سلوچنا بہن! اچھا برا وقت سبھی پر آتا ہے۔ یہ نہ بھولو بھائی صاحب نے تمہیں کاروں میں گھمایا ہے، مگر تم اتنی پھوہڑ نکلیں کہ برے وقت کے لئے کچھ بھی بچا کر نہیں رکھا۔ آج یہ نوبت آ گئی ہے کہ دو دو کلو آٹا آتا ہے تمہارے گھر میں۔’’ لکشمی بولی۔

‘‘جاتی ہے یا دھکے دے کر نکالوں؟’’ سلوچنا چیخ اُٹھی۔

لکشمی جانے کے لئے مڑی تو اُسے رمیش آتا دکھائی دیا۔ لکشمی نے اُسے نمستے کیا اور کہا۔ ‘‘اوہ آپ......’’

‘‘میں سب کچھ سن چکا ہوں لکشمی جی!’’ رمیش بول اُٹھا۔ ‘‘مجھے معلوم ہے میرا بیٹا بے وقوف اور نکھٹو ہے۔ اس رشتے کے لئے خود تم بھی مجھ سے کہتیں تو میں انکار کر دیتا۔ ششی تو کیچڑ میں کھلے ہوئے پھول کی طرح ہے۔ میں بھی بیٹی والا ہوں، تمہارے جذبات سمجھ سکتا ہوں۔’’

اچانک سلوچنا چیخ اُٹھی۔ ‘‘ہاں ہاں اب غیروں سے بھی بیٹے کی برائی کر لو، یہی کسر تو رہ گئی تھی۔’’

‘‘ہاں واقعی میں ہی غلط کہہ رہا ہوں۔ تمہارا بیٹا تو بہت لائق ہے، سونے میں تولنا چاہئے اُسے۔ تمہیں بھی اُس کی ماں ہونے پر گولڈ میڈل ملنا چاہئے۔’’ رمیش جل کر بولا۔

‘‘کہہ تو ایسے رہے ہیں جیسے میں اُسے اپنے ماں باپ کے گھر سے ساتھ لائی تھی۔’’

‘‘اچھا بکواس بند کرو!’’ رمیش کو غصہ آ گیا۔ ‘‘نمک لا کر دو لکشمی بہن کو۔’’

‘‘اب تم باہر والوں کے سامنے بھی میری بے عزتی کرو گے؟’’ سلوچنا لڑنے پر

آمادہ تھی۔

''ابھی تو تمہارا خیال کر رہا ہوں لیکن تم نے اپنا رویہ نہیں بدلا تو شاید ایسا ہی کرنا پڑے گا۔''

سلوچنا نے جلدی سے نمک لا کر لکشمی کو تھما دیا۔ ''لے جاؤ، پورا ڈبہ ہی لے جاؤ۔''

''ہاں بہن، پورا ڈبہ لے جاؤ۔'' رمیش نے لکشمی سے کہا۔ ''ضرورت کے مطابق اس میں سے نمک نکال کر ڈبہ واپس بھجوا دینا۔''

لکشمی ڈبہ لے کر چلی گئی تو سلوچنا نے زور سے دروازہ بند کیا اور رمیش سے مخاطب ہوئی۔ ''اب تو بس گالیاں دینے کی کمی رہ گئی ہے، یہ کمی بھی پوری کرلو۔''

''فضول بات نہ بڑھاؤ تو اچھا ہے۔'' رمیش کا انداز سمجھانے والا تھا۔

''بات میں نہیں، ہمیشہ تم بڑھاتے ہو۔'' سلوچنا چنچنائی۔ ''ایک بات بتا دوں تمہیں، آج کھانا نہیں پکاؤں گی۔ ویسے بھی نمک کے بغیر کھانا کیسے پکے گا۔''

''ٹھیک ہے، تمہارا جو جی چاہے کرو۔ میں نے پانچ کلو آٹا اور سبزی لا دی ہے۔'' رمیش نے سودے کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں جا رہا ہوں، کھانا ہوٹل میں کھا لوں گا۔ ویسے بھی مجھے کام سے جانا ہے۔''

اس عرصے میں انوپ بھی گیلری سے وہاں آ گیا تھا۔ رمیش نے دس روپے کا ایک نوٹ میز پر ڈالا اور انوپ سے کہا۔ ''سن بھئی اوجیمس بانڈ! یہ دس روپے اپنی بہن امرتا کو دے دینا۔ اگر یہ دس روپے تیری ماں نے اپنی بہن کو، یعنی تیری موسی کو بھیجے تو میں تیری دُوربین بیچ دُوں گا۔''

رمیش چلا گیا تو سلوچنا نے انوپ کو ڈانٹ پلائی۔ ''تو نے ہی باپ کو بتایا ہوگا کہ میں تیری موسی کو پیسے بھجواتی ہوں، بول یہی بات ہے نا؟''

''ڈیڈی کبھی کبھار تو پیار سے بات کرتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا تو بتا دیا میں نے۔ بھلا کوئی اپنے ڈیڈی سے بھی جھوٹ بولتا ہے ماں!'' انوپ بھولپن سے بولا۔

''اور کیا تجھے نہیں معلوم کہ تیری موسی کتنی غریب ہے۔''

''وہ تو ہے ماں!......تم ٹھیک کہتی ہو۔'' انوپ نے اقرار میں سر ہلایا۔

''اچھا تو پھر جلدی سے یہ سب سامان اٹھا اور اپنی موسی کو دے آ! بے چاری صبح

سے بھوکی ہوگی۔'' سلوچنا نے انوپ سے کہا۔

''تو پھر ہم کیا کھائیں گے؟'' انوپ نے سوال کیا۔

''بے وقوف! اتنا تو میں تیرے ڈیڈی سے چھپا کر رکھ لیتی ہوں کہ ہم تینوں کا پیٹ بھر جائے۔'' سلوچنا نے انوپ کو بچوں کی طرح سمجھایا، پھر کہنے لگی۔ ''امرتا پڑھ لکھ کر کہیں اچھی سی نوکری کر لے تو ہم لوگوں کی جان روز کی اس بک بک سے چھوٹ جائے۔''

''اچھا تو پھر میں چلتا ہوں۔'' انوپ راضی ہوگیا۔

''پچھلے دروازے سے جانا اور جلدی واپس آنا۔'' سلوچنا نے ہدایت کی۔ ''وہاں کچھ کھانے پینے نہ بیٹھ جانا، امرتا آنے والی ہوگی۔''

انوپ سامان اٹھا کر چل دیا۔ وہ پچھلے دروازے سے باہر جا رہا تھا۔ رمیش نے اُسے جاتے دیکھا۔ انوپ کے ہاتھوں میں وہ سب سامان تھا جو آج وہ بازار سے لایا تھا۔ اُسی وقت لکشمی باہر آئی تو اُس نے رمیش کو دیکھا اور انوپ پر بھی اُس کی نظر پڑی۔

''تم نے دیکھ لیا لکشمی بہن!'' رمیش نے اُسے مخاطب کیا۔

''ہاں بھائی صاحب، یہ وہی سامان ہے جو آپ ابھی ابھی لائے ہیں۔'' لکشمی نے تصدیق کی۔ پھر مشورہ دیا۔ ''پکڑ لیں نا اُسے۔''

''بہن! میں کہاں کہاں پہرے لگاؤں گا۔ اگر سلوچنا ڈھنگ کی عورت ہوتی تو میری اولاد نافرمان نہ ہوتی۔'' رمیش کی آواز میں دُکھ تھا۔

''کیا امرتا بھی آپ کی بات نہیں سنتی؟'' لکشمی نے پوچھا۔

''ابھی تک تو اُس کا رویہ زیادہ خراب نہیں، مگر اپنی ماں کا اثر تو بہرحال قبول کرے گی نا۔'' رمیش نے جواب دیا۔ ''میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ بچوں کے ساتھ اُٹھ بیٹھ سکوں۔ اگر وقت نکال بھی لیتا ہوں تو سلوچنا کوئی ایسی بات کر دیتی ہے کہ گھر سے نکل جاتا ہوں۔''

''بھائی صاحب! امرتا آپ کی بیٹی ہے، اُسے آپ کی سخت ضرورت ہے۔'' سلوچنا کی وجہ سے تو وہ......''

"ہاں مجھے بھی اُس کی بڑی فکر ہے۔" رمیش بول اُٹھا۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ لکشمی سرد آہ بھر کر رہ گئی۔

✿......✿

امرتا کلاس سے نکلی تو ورشا اُس کے ساتھ تھی۔

"سنو امرتا!" ورشا اُس سے مخاطب ہوئی۔ "تم نے وعدہ کیا تھا کہ کشور سے ملو گی۔"

"مجھے نہیں ملنا کسی سے۔"

"ارے پگلی، تو اس قدر گھبرا کیوں رہی ہے؟ کشور تجھے پسند کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے، اس کے ممی پاپا کو جیسی بہو کی تلاش ہے تو بالکل ویسی ہے۔" ورشا بولی۔

"نہیں۔" امرتا نے انکار میں سر ہلایا۔ "مجھے اس طرح کی باتوں سے ڈر لگتا ہے۔ اگر کسی نے مجھے کشور کے ساتھ دیکھ لیا تو بات ڈیڈی تک پہنچ سکتی ہے اور تم...... تم میرے ڈیڈی کو نہیں جانتیں کہ وہ کتنے سخت آدمی ہیں۔ وہ میرا گھر سے نکلنا ہی بند کر دیں گے۔"

"لیکن تمہارے ڈیڈی کو یہ کون بتائے گا کہ تم کشور سے ملی ہو۔ تمہارے ساتھ میں ہوں گی یا کشور۔"

"اور دیر ہو گئی تو گھر میں کیا کہوں گی؟" امرتا نے سوال کیا۔

"تم تو بہت ہی سیدھی ہو۔ ارے کہہ دینا، میرے ساتھ نوٹس لینے گئی تھیں۔" ورشا نے جواب دیا۔ "میں جانتی ہوں، تمہارے گھر والوں کو مجھ پر بھروسہ ہے۔ ویسے بھی کشور کے پاس کار ہے۔ وہ تمہیں کار میں کسی ایسے اسٹاپ تک چھوڑ دے گا جہاں سے تم بس کے ذریعے جلدی اپنے گھر پہنچ سکو۔"

امرتا جو ورشا کی باتوں سے کچھ کچھ نیم راضی سی ہو گئی تھی، پھر خوفزدہ نظر آنے لگی اور بولی۔ "نن...... نہیں...... اکیلی اُس کے ساتھ...... نہیں مجھے خوف آ رہا ہے۔"

"شروع شروع میں مجھے بھی بہت ڈر لگتا تھا، مگر کشور بہت اچھا اور شریف لڑکا ہے۔ ایک دفعہ مجھے بس نہیں مل رہی تھی، بہت بھیڑ تھی تو کشور ہی نے مجھے لفٹ دی تھی۔ بس اُسی روز سے میرا خوف جاتا رہا۔ کافی عرصے سے ہم ساتھ ہیں لیکن کشور

کبھی حد سے آگے نہیں بڑھا۔" ورشا نے امرتا کے اطمینان کی غرض سے بتایا۔

امرتا کے چہرے سے گھبراہٹ عیاں تھی۔ وہ اب تک خود کو کشور سے ملنے پر آمادہ نہیں کر سکی تھی۔

معاً ورشا نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ "چل میرے ساتھ۔ تجھے مجھ پر تو اعتماد ہے نا۔"

ورشا کے ساتھ امرتا اس طرح چل رہی تھی جیسے نیند کی حالت میں ہو۔ کالج سے کچھ فاصلے پر کشور کی نئی چمکتی ہوئی کار کھڑی نظر آئی۔

"وہ رہی کشور کی کار۔" ورشا نے اُس طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ "نہ جانے کب سے کھڑا ہے بے چارہ۔"

"ورشا! میرا ہاتھ چھوڑ دو۔ مم...... میں...... اُس...... اُس سے نہیں ملوں گی......"

"بس بھی کرو اب۔" ورشا نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "سنو! اوپر والا کبھی کبھار ہی کسی کو زندگی سنوارنے کا موقع دیتا ہے۔ اگر کشور کے گھر والوں نے تجھے اپنی بہو بنانے کے لئے پسند کر لیا تو تیری زندگی بدل جائے گی۔"

"مگر اُس نے تجھے کیوں اپنے گھر والوں سے نہیں ملوایا؟" امرتا نے دریافت کیا۔

"بزدل لڑکی! تو آخر سمجھتی کیوں نہیں۔ کشور اور میں صرف دوست ہیں۔ پھر یہ کہ میری منگنی ہو چکی ہے، لڑکا دبئی میں انجینئر ہے۔ وہ مجھے بہت پسند ہے۔" ورشا نے بتایا۔

وہ دونوں ابھی کار سے کچھ دُور ہی تھیں کہ کشور کار سے اُتر آیا۔ وہ چھریرے جسم کا دراز قد اور خوب صورت نوجوان تھا۔ اُسے دیکھ کر امرتا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ امرتا اور ورشا اُس کے قریب پہنچیں تو کشور نے "ہیلو" کہہ کر کار کا اگلا دروازہ کھول دیا۔

"یہ پاگل ڈر رہی ہے تم سے۔" ورشا نے ہنستے ہوئے کشور کو مخاطب کیا۔

"کیوں بھئی میرے سر پر کیا سینگ نکل آئے ہیں؟" کشور مسکراتے ہوئے امرتا سے بولا۔

جواب میں امرتا نے کچھ نہیں کہا۔ اُس کے ہونٹوں پر بڑی خفیف سی مسکراہٹ

اُبھری تھی۔ کشور کی کار میں پہلے ورشا بیٹھی، پھر امرتا۔ کشور نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی تو کشور نے ورشا سے دریافت کیا۔ ''چائنیز کھاؤ گی؟...... چرچ گیٹ چلیں؟''

ورشا کو جواب دینا تھا مگر امرتا بول اُٹھی۔ ''ورشا! میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔'' اُس نے یہ الفاظ تو ورشا کی طرف دیکھ کر ادا کیے تھے مگر مقصد کشور ہی کے سوال کا جواب دینا تھا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' کشور نے کہا۔ ''آپ پہلی بار ساتھ چل رہی ہیں، لنچ کیے بغیر ہی چلی جائیں گی؟...... مہمان آتا اپنی مرضی سے ہے مگر واپس میزبان کی مرضی سے جاتا ہے۔''

امرتا چپ رہی۔ چمکتی ہوئی کار اور اُس کے اندر چلتا ہوا ایئر کنڈیشنڈ اُسے اچھا لگ رہا تھا۔

''ایسا کرتے ہیں کہ سن اینڈ سینڈ چلتے ہیں۔ وہیں لنچ کر لیں گے۔ چرچ گیٹ دُور پڑے گا۔ لنچ کے دوران ہی امرتا سے میرا تفصیلی تعارف ہو جائے گا۔'' کشور بولا۔

سن اینڈ سینڈ میں لنچ کرنے کا سن کر امرتا کا دل پھر زور سے دھڑک اُٹھا۔ وہ اس سے پہلے کبھی کسی اتنے بڑے ہوٹل میں نہیں گئی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ!'' اچانک ورشا زور سے بولی۔ ''میں تو بالکل ہی بھول گئی۔''

''کیوں، کیا ہوا؟'' کشور نے اُس سے پوچھا۔

''مجھے باندرہ کے ایک کیمسٹ سے ماں کی دوا لینی تھی۔'' ورشا نے بتایا۔ ''ٹھیک دو بجے دوا کی پہلی خوراک دینی ہے۔ میری ماں بیمار ہیں نا!''

کشور اور امرتا دونوں ہی اُسے قابلِ رحم نظروں سے دیکھنے لگے۔

''میں دوا کے لئے روپے بھی نہیں لا سکی۔'' ورشا کی آواز قدرے بھاری ہو گئی۔

''تو پھر فکر کیوں کرتی ہو؟'' کشور جلدی سے بولا۔ پھر اُس نے اپنا پرس جیب سے نکال کر اُس میں سے پانچ سو روپے کے دو نوٹ کھینچ لئے۔ دونوں نوٹ اُس نے ورشا

کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''تم فوراً ٹیکسی سے چلی جاؤ۔ ماں جی کو دوا وقت پر ملنی چاہئے۔ ماں ایسی دولت ہے جو ایک بار کھو جائے تو پھر کبھی نہیں ملتی۔''

کار ایک طرف رُک گئی تو ورشا اور امرتا دونوں ہی نیچے اُتر گئیں۔

''تم کشور کے ساتھ چلی جاؤ۔'' ورشا نے امرتا سے کہا۔

امرتا، کشور کے ساتھ تنہا جاتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ مگر ورشا نے اُس کا ہاتھ پکڑ کے اُسے زبردستی کار میں بٹھا دیا۔ کشور نے ورشا کو گڈ بائی کہا اور کار آگے بڑھا دی۔

پھر وہ چند لمحے بعد امرتا سے مخاطب ہوا۔ ''آپ کچھ گھبرا رہی ہیں؟'' امرتا نے جواب میں کچھ نہ کہا تو کشور کہنے لگا۔ ''میں نے جب پہلی بار آپ کو ورشا کے ساتھ دیکھا تھا تو یقین کریں کہ بس دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ آپ مجھے اتنی ہی اچھی لگی تھیں۔ آج کل کی لڑکیوں سے آپ مختلف ہیں۔ میرے پاپا اور ممی ایک گھریلو لڑکی کی تلاش میں ہیں۔ ایسی لڑکی جو سوسائٹی میں گھومنے پھرنے کی شوقین نہ ہو، مگر سوسائٹی کے طور طریقوں سے اچھی طرح واقف ہو، اسی کے ساتھ تعلیم یافتہ ہو۔''

امرتا نے کسی نوجوان سے زندگی میں پہلی مرتبہ اس طرح کی باتیں سنی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کچھ شرما سی رہی تھی اور اُس پر گھبراہٹ بھی طاری تھی۔ وہ اسی سبب کچھ نہ کہہ سکی۔

''کم بولنا اچھا ہے مگر اتنا کم بھی نہیں کہ بے زبانی کا گمان ہونے لگے۔'' کشور نے اُسے ایک بار پھر بولنے پر اُکسایا۔

''جج...... جی!'' امرتا بس اتنا ہی کہہ سکی۔

''موسم کی بات ہی کر لیں۔'' کشور نے مشورہ دیا، مگر اس کے جواب میں بھی اُسے ''جی'' ہی سننا پڑا تو بولا۔ ''کیا کروں، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ آپ نے تو ایسی فضا بنا دی ہے کہ کوئی لطیفہ سناتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا ہے۔ کہیں آپ لطیفہ سن کر ہنسنے کی بجائے رونے لگیں تو میں کیا بگاڑ لوں گا۔'' کشور نے کچھ اس انداز سے بات کی کہ امرتا مسکرا دی۔ کشور یہ دیکھ کر جلدی سے بولا۔ ''شکر ہے بھگوان کا، آپ مسکرائیں تو سہی۔ اب کچھ بولنے کی بھی کوشش کریں۔ اسی طرح بات سے بات نکلتی ہے۔''

''مگر میں...... میں کیا بات کروں؟'' امرتا نے رُک رُک کر مسکراتے ہوئے

پوچھا۔

''اچھا چلئے میں ابتدا کرتا ہوں...... مگر ہم تو اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ چلیں اندر ہوٹل میں بیٹھ کر بات کریں گے۔''

پھر اُن کی کار چند ہی لمحے بعد سن اینڈ سینڈ کی پارکنگ میں رُک گئی۔ کشور نے دروازہ کھولا تو امرتا نیچے اُتر آئی۔

کچھ دیر میں کشور اور امرتا ہوٹل میں داخل ہو رہے تھے۔ امرتا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ ایئر کنڈیشنڈ ہال میں مدھم روشنی تھی۔ میزیں ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھیں جن پر کہیں کہیں جوڑے بیٹھے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ ہلکا ہلکا میوزک بج رہا تھا۔ امرتا کو وہ ماحول بڑا خواب ناک محسوس ہوا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔ ایک خالی میز کے قریب پہنچ کر کشور رُک گیا۔ امرتا بھی ٹھہر گئی۔ کشور نے امرتا کے لئے کرسی کھینچی تو وہ بیٹھ گئی۔

کشور دوسری کرسی پر امرتا کے قریب ہی بیٹھ کر بولا۔ ''یہاں آ کر بور تو نہیں ہو رہیں؟''

''جی نہیں۔'' امرتا نے جواب دیا۔

''بیئر لینا پسند کریں گی؟'' کشور نے سوال کیا۔

''نہیں...... بالکل نہیں!'' امرتا نے تیزی سے انکار میں سر ہلا دیا۔

''کوئی بات نہیں۔'' کشور نرمی سے بولا اور پھر ویٹر کو بلا کر کہا۔ ''ایک سافٹ ڈرنک، ایک بیئر، اس کے بعد دو لنچ۔'' پھر وہ امرتا کی طرف گھوم کر کہنے لگا۔ ''بڑے گھرانے طور طریقوں پر بڑی جان دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے گھروں کی خواتین تک بیئر پیتی ہیں۔ میری ممی تو پاپا کے ساتھ وہسکی، بیئر سب کچھ پیتی ہیں۔''

''جی......'' امرتا صرف یہی لفظ بول پائی۔

''میرے گھر میں ممی ہیں، پاپا ہیں اور میں اُن کی اکلوتی اولاد ہوں اسی لئے دونوں کا لاڈلا ہوں۔'' کشور بے تکلفی کے ساتھ اپنے گھر والوں کے بارے میں امرتا کو بتاتا رہا۔ چند لمحے توقف کے بعد اُس نے پھر کہا۔ ''پاپا میری ہر خواہش پوری کرتے ہیں، مگر کاروباری مصروفیت کے باعث مجھے کم ہی وقت دے پاتے ہیں، میں اسی لئے ممی

سے زیادہ کلوز ہوں۔'' امرتا توجہ سے کشور کی باتیں سن رہی تھی۔ کشور کو بھی اس کا احساس تھا۔ وہ اسی سبب کہتا رہا۔ ''ممی ہر وقت مجھ سے اپنی ہونے والی بہو کی باتیں کرتی رہتی ہیں...... میری بہو ایسی ہو گی...... ویسی ہو گی۔ ممی کی یہی باتیں سن سن کر میرے دل و دماغ میں اُن کی ہونے والی بہو کی ایک تصویر بن گئی ہے۔ جو تصویر بنی ہے اُس پر آپ پوری اُترتی ہیں۔ بس تھوڑی بہت جو کمی ہے اسی کو پورا کرنا پڑے گا...... اور وہ کمی میں پوری کراؤں گا۔''

ویٹر میز پر سافٹ ڈرنک، بیئر اور دو گلاس رکھ گیا۔

کشور نے پھر امرتا کو مخاطب کیا۔ ''میں آپ کو اپنی ممی کی پسند کے مطابق بناؤں گا، مگر اس کے لئے آپ کو بھی خاصی محنت کرنی پڑے گی۔ کسی دوسرے کی پسند کے مطابق خود کو ڈھالنا بہرحال آسان کام نہیں ہوتا۔ آپ نے اگر میری کسی بات سے انکار نہ کیا تو یہ مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ میں آپ کو کھونا نہیں چاہتا کیوں کہ بڑی تگ و دو کے بعد مجھے وہ لڑکی مل گئی ہے جو میری ماں کے خوابوں کی تعبیر ہے، بس تھوڑی بہت کمی دُور کرنی ہے۔''

کشور نے امرتا کے لئے سافٹ ڈرنک نکالی اور پھر اُس میں بیئر ڈالنے لگا تو امرتا نے سختی سے منع کر دیا۔ ''یہ نہ کریں۔''

''آہستہ بولیں، کوئی سن لے گا۔'' کشور اس طرح بولا جیسے کوئی راز کی بات بتا رہا ہو۔ ''لوگ سمجھیں گے، یہ نچلے طبقے کی لڑکی ہے۔ صرف دو گھونٹ ڈال رہا ہوں۔''

امرتا کچھ نہ کہہ سکی اور کشور نے گلاس اُس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ اپنا کام کر چکا تھا۔

''میں چیئرس کروں گا تو آپ کو ایک گھونٹ ضرور لینا ہو گا۔ یہ آداب ہیں یہاں کے۔'' کشور نے اُسے سمجھایا۔

امرتا نے گلاس اُٹھایا تو اُس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ نہ جانے اب کیا ہو گا؟ اس سے قبل امرتا نے کبھی کوئی نشہ نہیں کیا تھا۔ کشور نے ''چیئرس'' کہا تو امرتا نے صرف اپنا گلاس آہستگی کے ساتھ اُس کے گلاس سے ملایا اور پھر جی کڑا کر کے ایک گھونٹ بھی بھرلیا۔ اُسے ہلکی سی کڑواہٹ تو محسوس ہوئی مگر وہ سانس

روک کر پی ہی گئی۔ کشور کے معیار پر وہ پورا اُترنا چاہتی تھی۔

''کیسا لگا؟'' کشور نے مسکرا کر پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں لگا۔'' امرتا نے جواب دیا۔

''یہی تو میں کہہ رہا تھا۔ آپ بلاوجہ ڈرے جا رہی تھیں۔'' کشور بولا۔ ''خیر یہ ذکر چھوڑیں...... میں نے تو اپنی فیملی کا تعارف کرا دیا، اب آپ کی باری ہے۔''

''میرے ڈیڈی انشورنس ایجنٹ ہیں۔'' امرتا بتانے لگی۔ ''ماں تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ ہمارے خاندانوں میں تعلیم نہیں صرف خاندان دیکھا جاتا ہے۔ ایک بھائی ہے جو ڈس ایبل تو نہیں البتہ ذہنی طور پر کچھ پس ماندہ ہے۔ وہ اسی سبب تین سال تک دسویں کلاس میں فیل ہو چکا ہے۔ اُسے جاسوس بننے کا شوق ہے۔''

کشور مسکرایا اور کہا۔ ''بہت خوب!...... آپ بی کام کر رہی ہیں، آئندہ کیا ارادہ ہے؟''

''ڈیڈی کی خواہش ہے کہ میں کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کروں تاکہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکوں۔ ہماری مالی حالت بہت خراب ہے...... لیکن ہمیشہ سے ایسا ہی نہیں تھا۔'' امرتا اُسے بتانے لگی۔ ''کسی زمانے میں ہمارے پاس کار بھی تھی، مگر اب...... بس کسی نہ کسی طرح گزارہ ہو رہا ہے۔''

''ویری سیڈ!'' کشور نے اظہارِ افسوس کیا۔ ''مجھے آپ کے سینڈلوں اور لباس سے اندازہ ہو رہا ہے مگر آپ کی پیشانی پر کسی اُونچے گھرانے کی لڑکی والی شان ہے۔''

امرتا کا سینہ فخر سے پھول گیا۔ اُسے پتہ بھی نہ چلا اور کشور اُس کے گلاس میں تھوڑی تھوڑی بیئر ڈالتا رہا۔ امرتا باتیں کرتے ہوئے گھونٹ بھرتی رہی۔ اسی سبب امرتا آہستہ آہستہ سرور میں آتی جا رہی تھی۔ کشور کی تیز نظریں اُس کی بدلتی ہوئی حالت کو بغور دیکھ رہی تھیں۔

''اگر آپ کے جسم پر عمدہ اور قیمتی لباس ہوتا، چہرے پر آپ ہلکا سا میک اپ کئے ہوتیں تو کوئی بھی نہ مانتا کہ آپ کسی بیمہ ایجنٹ کی بیٹی ہیں۔'' کشور نے کہا۔

یہ سن کر بھی امرتا کو فخر محسوس ہوا۔ اُس کے ذہن پر نشے کا غلبہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی وجہ پہلی بار بیئر پینا تھی۔

''اچھا یہ بتائیں آپ کون سے صابن سے نہاتی ہیں؟'' کشور نے سوال کیا۔

جواب میں امرتا نے صابن کا نام بتاتے ہوئے کہا۔ ''ڈیڈی یہ مہنگا صابن میرے ہی لئے لاتے ہیں ورنہ تو ماں......''

''کیا؟'' کشور نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے امرتا کی بات کاٹ دی۔ ''یہ تو دیسی صابن ہے جو جلد کو خراب کر دیتا ہے۔ ابھی تو خیر آپ جوان ہیں، جلد متاثر نہیں ہو رہی۔ لیکن چند ہی برسوں میں یہ دیسی صابن اپنا رنگ دکھانے لگے گا۔''

''تو...... تو پھر؟'' امرتا ہکلا کے رہ گئی۔

''اس کا بس ایک ہی حل ہے۔'' کشور نے طویل سانس لیا۔

''وہ کیا؟'' امرتا نے بے صبری کے ساتھ پوچھا۔

''آپ دیسی صابن چھوڑ کر غیر ملکی صابن استعمال کیا کریں۔'' کشور نے جواب دیا۔ پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''غیر ملکی صابن مہنگے تو ہوتے ہیں، مگر انہی کے ذریعے جلد کی حفاظت ممکن ہے۔ قدرتی حسن کو یہ صابن نکھار دیتے ہیں۔ دیسی صابنوں میں ایسے اجزا شامل ہوتے ہیں جن سے جلد خراب ہو جاتی ہے۔'' کشور یہ سب اس طرح کہہ رہا تھا جیسے کوئی ماہر بیوٹیشن ہو۔ ''یہی پوزیشن میک اپ کے سامان کی ہے۔ میرے خیال میں آپ نہ تو غیر ملکی صابن افورڈ کر سکتی ہیں اور نہ باہر کا میک اپ!...... معاف کیجئے گا، آپ جس طرح کی چیزیں استعمال کرتی ہیں، گنوار عورتیں استعمال کرتی ہیں۔ آپ ذرا اپنے سر کے بال کسی غیر ملکی قیمتی شیمپو سے دھو کر دیکھیں، ان کی شان بڑھ جائے گی۔''

''کشور جی! ہمارے مالی حالات اس قابل نہیں کہ اتنی قیمتی چیزیں خرید سکیں۔'' امرتا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ہمارے گھر میں پانچ پانچ کلو آٹا آتا ہے۔''

''آپ جیسی متوسط طبقے کی حسین لڑکیوں کا یہی المیہ ہے۔'' کشور نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ ''اسی وجہ سے حسن کے چاند کو بہت جلدی گہن لگ جاتا ہے۔ اگر آپ کسی امیر گھرانے میں پلی بڑھی ہوتیں تو مس انڈیا کیا، مس یونیورس بھی بن سکتی تھیں۔''

کشور کی یہ بات سن کر امرتا جیسے ہواؤں میں اُڑنے لگی۔ پھر ویٹر نے کھانا لگا دیا اور وہ دونوں کھانا کھانے لگے۔ کھانے کے دوران بھی کشور نے پینے پلانے کا سلسلہ

جاری رکھا۔ شام ہونے سے کچھ پہلے ہی وہ وہاں سے اُٹھ گئے۔ اس کا سبب ماحول کی ٹھنڈک اور وہ دلچسپ باتیں تھیں جنہوں نے امرتا کو جیسے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ یوں بھی باہر گرمی تھی اور وہ صرف کار میں سفر نہیں کر سکتے تھے۔

سن اینڈ سینڈ سے اُٹھ کر وہ سمندر کے کنارے آ گئے۔ کافی دیر تک وہ جوہو کے ساحل پر ٹہلتے رہے۔ کشور نے امرتا کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ امرتا کو اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا کیونکہ اس وقت وہ بیئر کے سرور میں تھی۔ اسی کے ساتھ کشور کی رومان پرور گفتگو نے امرتا کو کسی اور ہی دنیا میں پہنچا دیا تھا۔ یہ تو اُسے خود بھی احساس تھا کہ وہ خوب صورت ہے، مگر کسی دوسرے کی زبان سے پہلی بار یہ بات سنی تھی۔ اُسے اس عالم میں اپنا گھر تک یاد نہ رہا تھا۔

آخر جب سورج غروب ہو گیا تو کشور نے کہا۔ ''امرتا! کافی دیر ہو گئی، میرا خیال ہے اب چلنا چاہئے۔ آپ کی ماں پریشان ہوں گی۔''

یہ سن کر امرتا کے ذہن کو جھٹکا لگا۔ گھر کا ماحول اُس کی آنکھوں میں گھوم گیا۔ اُس نے فوراً ہی کشور سے اس طرح ہاتھ چھڑا لیا جیسے گھر والے اُسے دیکھ رہے ہوں، خاص طور پر وہ اپنے باپ رمیش سے بہت ڈرتی تھی۔ ساحل سمندر سے آ کر وہ دونوں کار میں بیٹھ گئے۔ کشور نے اپنا پرس کھول کر اُس میں سے پانچ پانچ سو روپے کے دو نوٹ نکالے اور امرتا کی گود میں ڈال دیئے۔ اس پر امرتا جلدی سے بولی۔ ''نہیں نہیں، یہ میں نہیں لوں گی۔''

''امرتا! میں یہ روپے تمہیں نہیں، اپنی ممی کی ہونے والی بہو کو دے رہا ہوں۔ ممی سے تمہیں ملوانا ہے لیکن تم کو اُن کے لائق بھی تو بنانا ہے۔'' کشور بے تکلفی سے کہنے لگا۔ ''میرا مطلب یہ ہے کہ تمہیں ممی کے معیار پر بھی تو پورا اُترنا ہے جس کے لئے غیر ملکی صابن، میک اپ کا سامان وغیرہ لینا ہوگا...... اور ہاں، تم اپنے ناخن بھی بڑھاؤ، چھوٹے ناخنوں والی لڑکیاں گھٹیا سی لگتی ہیں۔ بڑے ناخنوں پر ٹرانسپیرنٹ نیل پالش لگایا کرنا۔ تمہارے پیر بھی بہت خوب صورت ہیں اور یہ ضروری ہے کہ ان کی خوب صورتی کو برقرار رکھا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ گرم پانی میں لیموں اور گلیسرین ڈالو اور پھر کم سے کم آدھے گھنٹے روز اُس کے اندر پیر ڈبو کر بیٹھو۔''

کچھ جھجکتے ہوئے امرتا نے روپے لے لئے مگر بولی۔ ''گھر میں کیا بتاؤں گی کہ یہ روپے کہاں سے آئے؟''

''یہ بتاؤ، اپنی ماں جی کا کوئی راز معلوم ہے تمہیں؟'' کشور نے سوال کیا۔

''ہاں۔'' امرتا نے اقرار میں سر ہلایا۔ ''میری موسی بیوہ ہیں۔ ماں جی، ڈیڈی سے چھپ کر اُن کی مدد کرتی رہتی ہیں۔ یہ راز میں اور انوپ جانتے ہیں۔''

''تو پھر ٹھیک ہے، تم اُنہیں با آسانی اعتماد میں لے سکتی ہو۔ تم اُن سے وعدہ لے لینا کہ وہ یہ راز تمہارے ڈیڈی کو کبھی نہ بتائیں۔ تم کہہ دینا صاف الفاظ میں کہ اگر انہوں نے ڈیڈی کو کچھ بتایا تو تم بھی یہ راز کھول دو گی کہ وہ تمہاری موسی کی مدد کرتی ہیں...... اب آج کی ملاقات کی آخری بات۔'' کشور کے چہرے سے جذبات کا اظہار ہونے لگا۔ ''تم ہمارے گھرانے کی بہو بننے والی ہو اور میں...... میں تم سے پیار کرتا ہوں اس لئے'' کشور کچھ کہتے کہتے رُک گیا اور امرتا کا ہاتھ تھام کر بولا۔ ''اس ملاقات کی یاد کے طور پر......'' وہ جھکا اور عین اسی لمحے امرتا نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ کشور کیا چاہتا ہے۔ ''ارے میں تو تمہاری اجازت سے......''

کشور کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا کیونکہ امرتا نے اُس کے دیئے ہوئے نوٹ واپس کئے اور کار سے اُتر گئی۔

''ارے ارے کہاں جا رہی ہو؟'' کشور ہڑبڑا گیا۔ ''میں تو مذاق کر رہا تھا۔ لو یہ روپے اپنے پاس رکھو۔ میں تو تمہارا امتحان لے رہا تھا۔''

پھر کشور نے اتنا اصرار کیا کہ امرتا کو روپے لینے ہی پڑے۔

۞......۞
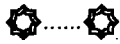
سلوچنا بالکنی میں بے چین کھڑی تھی۔ کمپاؤنڈ میں مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

''آج کہاں مر گئی کمبخت۔'' سلوچنا بڑبڑائی۔ ''اگر تیرے ڈیڈی کو پتہ چل گیا کہ دن بھر گھر سے غائب رہی ہے تو قیامت آ جائے گی۔ اوپر سے انوپ کا پتہ نہیں۔''

معاً لیمپ پوسٹ کے قریب ایک ٹیکسی آ کر رُکی اور اُس میں سے امرتا اُتری۔ سلوچنا کے لئے یہ ایک ناقابلِ یقین سا منظر تھا۔ اُس کا گھرانہ ایسے طبقے میں شمار نہیں ہوتا تھا جس کے افراد ٹیکسی سے سفر کرتے ہوں۔ وہ سوچنے لگی، ٹیکسی کا کرایہ امرتا کے

پاس کہاں سے آیا؟ اور وہ اس وقت ٹیکسی میں کہاں سے آ رہی ہے؟ اُسے کیا خبر تھی کہ کشور نے ہزار روپوں کے علاوہ سو روپے کا ایک نوٹ بھی چلتے وقت اُسے دے دیا تھا کہ وہ ٹیکسی میں جائے۔

ٹیکسی واپسی کے لئے مڑ گئی اور امرتا کے قدم آگے بڑھے۔ ایک بار سلوچنا پھر چونک اُٹھی اور بڑبڑانے لگی۔ ''آج امرتا کس طرح چل رہی ہے!...... جیسے کوئی پی کر چلتا ہے...... اس کے قدم ٹھیک کیوں نہیں پڑ رہے!...... یا پھر میرے ہی دیکھنے میں کوئی فرق ہے۔'' وہ یہی بڑبڑاتی ہوئی دروازہ کھولنے چل دی۔

سلوچنا دروازہ کھولے کھڑی تھی کہ کچھ ہی دیر میں امرتا آ گئی۔ اُس نے ماں کو دروازے میں کھڑے دیکھا تو ٹھٹک کر رُک گئی۔

''جلدی اندر مر کمبخت! کسی نے تجھے ٹیکسی سے اُترتے تو نہیں دیکھا؟'' سلوچنا نے تیز مگر دھیمے لہجے میں پوچھا۔

''مگر ٹیکسی میں بیٹھنا کوئی جرم تو نہیں ہے ماں!'' امرتا یہ کہتے ہوئے اندر آ گئی۔

وہ جب سلوچنا کے قریب سے گزری تو ہلکی سی بدبو کا بھبکا محسوس ہوا۔ سلوچنا چونک اُٹھی اور پھر اُس نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔ اُس کے لئے شراب کی بدبو پہچان لینا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ جب اچھے دن تھے تو اُس کا شوہر رمیش عموماً مے نوشی کر کے ہی گھر کا رُخ کرتا تھا، مگر اس بات کو اب ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ رمیش نے شراب نوشی ترک کر دی تھی، مگر جب وہ پیتا بھی تھا تو اُس نے کبھی سلوچنا کو پینے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ وہ تو عورتوں کی شراب نوشی ہی کے سخت خلاف تھا اور کہتا تھا، عورت کو نہیں پینی چاہئے، پی کر اُن میں حیا نہیں رہتی۔ آج اُسی رمیش کی بیٹی کہیں سے پی کر گھر آئی تھی۔

''تو نے شراب پی ہے؟'' معاً سلوچنا اُس کی طرف پلٹی۔ اپنے سوال کا جواب نہ ملنے پر وہ برہم ہو گئی اور بولی۔ ''جواب دے۔ کیا پوچھ رہی ہوں میں۔''

امرتا کو اعتراف کرنا ہی پڑا۔ اسی کے ساتھ اُس نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا۔

''شراب پینا پاپ ہے کیا؟''

''ہاں، تیرے لئے پاپ ہے۔'' سلوچنا نے جواب دیا۔ ''اگر تیرے باپ کو پتہ

لگ گیا کہ تو نے شراب پی ہے تو وہ تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اگر...... اگر وہ...... وہ اس وقت آ گئے تو...... تو کس طرح اُن سے یہ بات چھپی رہ سکے گی۔ میرا دل تو یہ سوچ کر ہی بیٹھا جا رہا ہے۔ یہ تو نے آخر کیا، کیا؟...... کس نے پلا دی تجھے شراب؟''

''وہ...... وہ اُس کشور نے۔'' دھیرے سے امرتا نے بتا دیا۔

''کون کشور؟'' سلوچنا نے سوال کیا۔

جواب میں امرتا نے اپنی ماں سے کچھ بھی نہیں چھپایا۔ امرتا جانتی تھی کہ پیسہ سلوچنا کی کمزوری ہے۔ اُس نے دانستہ یہ بات ''ترپ چال'' کی طرح سب سے آخر میں بتائی اور ایک ہزار روپے سلوچنا کے حوالے کر دیئے۔ نوٹ ہاتھ میں آتے ہی سلوچنا کی تیوریوں پر پڑے ہوئے بل غائب ہو گئے۔ وہ اس خوشی میں یہ بھی بھول گئی کہ اگر اس وقت رمیش آ گیا تو کیا ہو گا؟ امرتا کو وہ کہاں چھپائے گی؟ سلوچنا کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اُسی لمحے اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ دونوں ماں بیٹی کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

امرتا گھبرا کر کہنے لگی۔ ''اب...... اب کیا ہو گا ماں؟'' اُس کی آواز خوف کی شدت سے کانپ رہی تھی۔

اپنی بیٹی امرتا کے سوال کا فوری طور پر کوئی جواب دینا سلوچنا کے لئے ممکن نہ ہوا۔ وہ چونکی اُس وقت جب دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔

''تو...... تو ایسا کر امرتا کہ اندر والے کمرے میں چلی جا اور جا کے لباس تبدیل کر۔ جو ہوگا میں...... میں سنبھال لوں گی۔'' سلوچنا فکرمندانہ لہجے میں بولی۔

سلوچنا کی بات سنتے ہی امرتا تیزی سے اندر والے کمرے میں چلی گئی اور اُس کی چٹخنی اندر سے لگا لی۔ اس دوران سلوچنا دروازے تک پہنچ گئی تھی۔ پھر جیسے ہی اُس نے دروازہ کھولا، اپنے سامنے انوپ کو کھڑے دیکھ کر طویل سانس لیا۔

''کمبخت! تو نے مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔'' سلوچنا نے کہا، پھر پانچ سو روپے کا ایک نوٹ تھما کر اپنی بیوہ بہن کے گھر بھیج دیا۔ دروازہ بند کر کے وہ مڑی تو اندر والے کمرے کا دروازہ کھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ امرتا لباس تبدیل کر چکی تھی اور اُس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ رمیش ابھی نہیں آیا بلکہ آنے والا انوپ تھا۔ اُس نے اپنے بھائی انوپ کی صرف آواز ہی سنی تھی۔ آ کر وہ فوراً ہی کہاں چلا گیا، اس کی اُسے خبر نہیں تھی۔ اس سے پہلے کہ امرتا کچھ پوچھتی، سلوچنا نے خود ہی اُسے انوپ کے بارے میں بتا دیا۔

''انوپ آیا تھا، اُسے میں نے پانچ سو روپے دے کر تیری موسی کے گھر بھیج دیا۔ بے چاری آج کل بہت پریشان ہے۔''

''مگر ماں، وہ روپے تو کشور نے مجھے غیر ملکی صابن اور میک اپ کا سامان خریدنے کے لئے دیئے تھے۔'' امرتا بولی۔

''یہ ہیں نا باقی پانچ سو روپے۔'' سلوچنا نے جلدی سے کہا۔ ''صابن اور میک اپ کا سامان تو دو چار سو روپے میں آ جائے گا۔ تیرے ڈیڈی پوچھیں تو اُن سے کہہ دینا

ایک سہیلی نے دیا ہے۔ اُنہیں کیا پتہ کہ تیری کون کون سی سہیلیاں ہیں۔'' سلوچنا نے یہ سوچ کر کہیں امرتا اپنی موسی کو پانچ سو روپے بھجوانے پر کوئی اعتراض نہ کرے، کسی توقف کے بغیر مزید کہا۔ ''تو اُس لڑکے سے مل لیا کر۔ اگر تیرے ڈیڈی پوچھیں کہ تو گھر سے کہاں غائب رہتی ہے تو کہہ دینا ایک سہیلی سے قرض لے کر کمپیوٹر کی کلاس میں داخلہ لے لیا ہے۔ یہ سن کر یقیناً وہ کچھ نہیں کہیں گے۔ ہاں تو نے یہ نہیں بتایا کہ آج پہلی بار اُس کے ساتھ گئی تھی یا پہلے بھی تم دونوں ملتے رہے ہو؟''

''ماں! میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گی، پہلے کبھی اُس کے ساتھ کہیں نہیں گئی۔'' امرتا نے جواب دیا۔

''دیکھ مجھے سب کچھ سچ سچ بتا دے۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو تجھے اپنے ہاتھ سے زہر دے دوں گی۔'' سلوچنا کہنے لگی۔

''مقدس گیتا کی قسم ماں، وہ مجھ سے سچا پیار کرتا ہے اور مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' امرتا نے بتایا۔

''تمہیں اُس پر بھروسہ ہے؟'' سلوچنا نے پوچھا۔

''ہاں، اگر اُس کی نیت خراب ہوتی، دل میں کوئی کھوٹ ہوتا تو ضرور ظاہر ہو جاتا۔'' امرتا پُراعتماد آواز میں بولی۔ ''وہ بہت شریف انسان ہے ماں، مگر فیصلہ تمہیں کرنا ہے کہ آئندہ میں اُس سے ملوں یا نہیں!...... اگر تم منع کر دو گی تو میں اُس سے دوبارہ نہیں ملوں گی۔ وہ پیسے بھی دے گا تو ہرگز نہیں لوں گی۔''

''ایسے فیصلے جلد بازی میں نہیں کئے جاتے۔'' پیسوں کی بات سن کر سلوچنا جلدی سے بول اُٹھی۔ ''ٹھیک ہے، اُس سے تیرے ملنے میں کوئی حرج نہیں۔ ویسے بھی تو بتا رہی ہے کہ وہ شریف لڑکا ہے اور تجھ سے شادی پر آمادہ ہے۔ اگر تو بڑے گھر کی بہو بن جائے تو میرے دل کو سکون آ جائے گا، مگر ابھی میں یہ بات تیرے ڈیڈی کو نہیں بتاؤں گی۔''

''وہ کیوں ماں؟ ڈیڈی کو کیوں نہیں بتاؤ گی؟'' امرتا نے دریافت کیا۔

''ابھی میں نے کہا نا تجھ سے، جلد بازی اچھی نہیں ہوتی۔ پہلے تو اُس لڑکے کے ماں باپ سے مل لے۔''

"ٹھیک ہے ماں!" امرتا نے اقرار میں سر ہلا دیا۔

❂......❂

رمیش بلڈنگ سے نکل کر اسٹاپ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ایک نوجوان نے اُسے روک لیا۔ اُس کی عمر بیس سال کے قریب معلوم ہوتی تھی۔ اُس کے شانے سے بیگ لٹک رہا تھا اور ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی، جسم پر معمولی سی جینز، ٹی شرٹ اور پیروں میں سستے قسم کے جوتے تھے۔

"سر! میں بڑی دیر سے یہ پتہ ڈھونڈ رہا ہوں۔" وہ نوجوان، رمیش سے مخاطب ہوا، پھر ایک کاغذ اُس کے سامنے کر دیا جس پر پتہ لکھا تھا۔

"بی پینتیس (35)" رمیش نے پڑھا اور پھر بلڈنگ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"اسی بلڈنگ میں آخری قطار کا کونے والا فلیٹ ہے۔"

"سر! آپ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے بالکل صحیح گائیڈ کیا ہے ورنہ تو بڑی دیر سے لوگ اِدھر اُدھر دوڑا رہے ہیں۔" نوجوان نے اظہارِ تشکر کیا۔

"کیا تم جانکی داس جی کے پاس آئے ہو؟ کیونکہ اُس کونے والے فلیٹ میں تو وہی رہتے ہیں۔" رمیش نے نوجوان سے معلوم کیا۔

"جی ہاں۔" نوجوان نے بتایا۔ "جانکی داس جی میرے بابو جی کے دوست ہیں۔"

"کیا کام ہے تمہیں اُن سے؟" رمیش نے سوال کیا۔

"سر! میں نے ریفریجریشن کا ڈپلومہ کیا ہے۔" نوجوان نے جواب دیا۔ "کئی جگہ ملازمت کے لئے درخواست دی تھی، اس شہر کی ایک کمپنی نے مجھے انٹرویو لینے کی خاطر بلایا ہے، اسی سبب یہاں آیا ہوں۔ میں کسی ہوٹل میں اس لئے نہیں ٹھہر سکتا کہ مجھے یہاں آنے سے پہلے ہی بتا دیا گیا تھا، بمبئی کے ہوٹل بہت مہنگے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اِدھر چلا آیا۔ نوکری مل گئی تو اس شہر میں مستقل رہنے کا بندوبست بھی کر لوں گا ورنہ دو چار دن جانکی داس انکل کے پاس گزار کے واپس چلا جاؤں گا۔"

"تم جیسے پُر اعتماد نوجوان کو نوکری ضرور ملے گی۔" رمیش نے نوجوان کی حوصلہ افزائی کی۔

"تھینک یو سر! بھگوان آپ کی زبان مبارک کرے۔" نوجوان بولا۔ "اگر میں

کامیاب ہو گیا تو سب سے پہلے آپ کو مٹھائی کھلاؤں گا۔"

"ضرور۔ مگر مجھ سے پہلے اوپر والے کا شکریہ ادا کرنا اور کسی بھوکے کو کھانا کھلا دینا۔" رمیش نے نوجوان کو مشورہ دیا۔

"سر آپ تو اچھا رستہ دکھانے والوں میں ہیں۔"

"اچھوں کے لئے بھگوان کسی کو بھی اچھا راستہ دکھانے والا بنا دیتا ہے۔ تمہارا انداز بتاتا ہے کہ تم زندگی سے جنگ لڑنا جانتے ہو۔" رمیش نے کہا۔ "میں تمہیں ایک اور اچھا مشورہ یہ دوں گا کہ اپنے جانکی داس انکل کی کسی بات کا برا نہ ماننا۔"

"کیوں سر؟ بابو جی نے تو اُن کی بڑی تعریف کی تھی۔" نوجوان نے وضاحت چاہی۔

"جانکی داس جی برے آدمی نہیں ہیں دراصل وہی کیا، کوئی بھی آدمی برا نہیں ہوتا، حالات اُسے اچھا یا برا بنا دیتے ہیں، خاص طور پر پیٹ کی آگ۔" رمیش کہنے لگا۔ "غصہ، مایوسی اور جھنجھلاہٹ یہ سب ہر کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔ جانکی داس جی میں بھی شاید برداشت کی قوت نہیں ہے۔ وہ اسی لئے اپنے دُکھوں کو شراب میں ڈبونے اور انہیں بھلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ باقی تم خود ہی دیکھ لینا۔"

"ٹھیک ہے سر!" نوجوان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اچھا او کے!...... بیسٹ آف لک۔" رمیش نے نوجوان کے کندھے پر ہلکی سی تھپکی دی اور اسٹاپ کی طرف بڑھ گیا۔

وہ نوجوان بلڈنگ کے احاطے میں داخل ہو گیا۔ گراؤنڈ فلور کے مطلوبہ فلیٹ کے سامنے پہنچ کر وہ دروازے پر دستک دینے ہی والا تھا کہ اندر سے چیخنے چلانے کی آوازیں آئیں۔ شاید کوئی عورت رو بھی رہی تھی۔

نوجوان ٹھٹک گیا۔ اچانک دروازہ دھڑ سے کھلا اور اندر سے سترہ اٹھارہ سال کی ایک نوجوان لڑکی بدحواسی کے عالم میں بھاگی۔ وہ لڑکی، نوجوان سے ٹکرا گئی۔ پھر اُس نے نوجوان کا بازو پکڑ لیا اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "بھگوان کے لئے میری ماں کو بچا لو، باپو مار ڈالیں گے اُنہیں۔ میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں۔"

وہ لڑکی، جانکی داس اور لکشمی کی نوجوان بیٹی ششی تھی۔ اندر سے لکشمی کے چیخنے اور

رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جانکی داس اُسے زور زور سے برا بھلا کہہ رہا تھا۔ نوجوان نے اپنا سامان وہیں رکھا اور سیدھا اندر گھس گیا۔ آوازیں اندر والے کمرے سے آ رہی تھیں۔

''مار ڈالوں گا میں تجھے!...... زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

اُسی لمحے لکشمی کمرے کے اندر سے چلاتی ہوئی باہر بھاگی۔ اُس کے جسم پر موجود لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ لکشمی کو اپنی حالت کا کچھ ہوش نہ تھا۔ کمرے سے باہر بھاگتے ہوئے وہ نوجوان سے ٹکرائی اور پھر اُس سے لپٹ کر چیخنے لگی۔ ''مجھے بچا لو!...... بھگوان کے لئے...... مجھے...... بچا لو!''

اسی کے ساتھ جانکی داس اُسے برا بھلا کہتا ہوا باہر نکلا۔ ''بدکردار عورت! دیکھتا ہوں تجھے کون بچاتا ہے۔''

اُس نوجوان نے لکشمی کو اپنے پیچھے کر لیا۔ لکشمی اُس کی پشت سے چپکی ہوئی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

جانکی داس کے ہاتھ میں شراب کی ٹوٹی ہوئی بوتل تھی۔ وہ چیخ کر بولا۔ ''ہٹ جا میرے سامنے سے۔'' وہ اُس نوجوان سے مخاطب ہوا۔

نوجوان نے جانکی داس کی دونوں کلائیاں پکڑ لیں۔ وہ اپنی کلائیاں چھڑانے کے لئے زور لگاتے ہوئے نوجوان کو بھی برا بھلا کہتا رہا۔ جانکی داس کو کلائیاں چھڑانے میں کامیابی نہ ہوئی۔ نوجوان نے اُسے پیچھے دھکیلا اور کمرے کے اندر پہنچا دیا۔ پھر دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی۔ نوجوان، لکشمی کی طرف مڑا۔ لکشمی آنکھوں میں آنسو بھرے اُسے دیکھ رہی تھی۔ جانکی داس کی عمر چالیس پینتالیس برس تھی اور لکشمی تیس پینتیس برس کی لگتی تھی۔

نوجوان بیرونی دروازے کی طرف گھوما تو لکشمی نے لپک کر اُس کا بازو پکڑ لیا اور خوشامدانہ لہجے میں کہنے لگی۔ ''بھگوان کے لئے تم مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔''

''آنٹی! میں کہیں نہیں جا رہا۔ پہلے آپ دوسرے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کر لیں۔'' نوجوان نے کہا۔

یہ سن کر لکشمی کو پہلی دفعہ اپنی حالت کا اندازہ ہوا تو وہ دوڑتی ہوئی کمرے میں چلی گئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

نوجوان باہر نکلا جہاں ششی ابھی تک کھڑی ہوئی لرز رہی تھی۔

''میں نے جانکی انکل کو اندر والے کمرے میں بند کر دیا ہے۔ تم آنٹی کو جا کر سنبھالو۔'' نوجوان نے ششی کو مخاطب کیا۔

''تت...... تم......'' ششی ہکلا کے رہ گئی۔

''اس وقت یہاں کا ماحول کچھ صحیح نہیں ہے، میں پھر آؤں گا۔'' نوجوان بولا۔

''تم...... تم کیا ہمارے ہاں آئے تھے؟'' ششی نے سوال کیا۔

''ہاں، میرا نام اَجے ہے اور میں جانکی انکل کے دوست گردھاری لال کا بیٹا ہوں۔'' نوجوان اجے نے اپنا تعارف کرایا۔

''تم یہاں انٹرویو کے لئے آئے ہو نا؟'' ششی نے دریافت کیا۔

''ہاں...... لیکن میں اب کہیں اور ٹھہر جاؤں گا۔'' اجے نے جواب دیا۔

ششی نے اُس کے ہاتھ سے بیگ لے لیا اور بولی۔ ''نہیں، تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ تمہاری موجودگی سے مجھے اور ماں کو ڈھارس رہے گی۔ دراصل نشے میں بابو کو کچھ ہوش نہیں رہتا۔''

اجے کچھ کہنے والا تھا کہ ششی پھر بول اُٹھی۔ ''انکار نہ کرنا، بھگوان کے لئے! میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں...... بابو برے آدمی نہیں ہیں۔ وہ تو شراب نے انہیں ایسا بنا دیا ہے۔ لیکن جب ہوش میں ہوں گے تو تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔''

پھر اجے نے جانے پر زیادہ اصرار نہیں کیا اور ششی کے ساتھ اندر آ گیا۔ اندر سکون تھا۔ جانکی داس کی آواز نہیں آ رہی تھی۔

⚝......⚝

رمیش کیمسٹ کی دُکان پر پہنچا تو کیمسٹ نے مسکرا کر اُس کا استقبال کیا اور خیریت پوچھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔ اُدھر رکشے والا کھڑا ہے، اُسے پندرہ روپے دینے ہیں اور پانچ سو کا کھلا نہیں مل رہا۔'' رمیش نے کہا۔

کیمسٹ نے دروازہ کھول کر اُس میں جھانکا، پھر بولا۔ ''کھلا تو میرے پاس بھی نہیں ہے۔آپ پندرہ روپے لے لیجئے، کھلا ہو جائے تو مجھے دے دیجئے گا۔''

''ارے بھئی، میں پتہ نہیں پھر کب ادھر آؤں گا۔'' رمیش کہنے لگا۔

''تو کیا پندرہ روپے لے کر آپ کہیں بھاگے جا رہے ہیں!...... ایک تصویر بھجوا دیجئے گا۔ میں اخبار میں چھپوا دوں گا اگر آپ ادھر نہ آئے۔''

پھر وہ دونوں ہی ہنسنے لگے۔ کیمسٹ سے پندرہ روپے لے کر رمیش آگے بڑھ گیا۔ آس پاس کوئی رکشے والا ایسا نہیں تھا جسے رمیش پندرہ روپے دیتا۔ کیمسٹ ایک گاہک کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ رمیش بے فکری سے سڑک پر چلتا چلا گیا۔

معاً رمیش کے پاس ایک کار رُکی۔ کار کا ہارن زور زور سے بجا تو رمیش اُچھل پڑا۔ کار کا شیشہ نیچے اُترا اور ایک بہت ہی حسین چہرہ نظر آیا۔

''کیا اتنے کمزور دل ہو کہ ہارن ہی سے ڈر گئے؟'' حسین چہرے والی کی شیریں آواز سنائی دی۔

''ہاں...... یہ غلطی...... غلطی بھی تو میری تھی کہ بیچ سڑک پر چل رہا تھا۔'' یہ کہہ کر وہ فٹ پاتھ کی طرف مڑ گیا۔

''اے مسٹر!'' کار والی نے صدا لگائی۔ ''کہاں جا رہے ہو؟''

''معاف کیجئے گا، میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔'' رمیش رُک کر بولا۔

''اچھی اداکاری کر لیتے ہو۔'' کار والی حسین عورت نے دوسری طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ''چلو اندر بیٹھو!'' یہ سن کر رمیش کچھ ہچکچانے لگا تو وہ عورت کہنے لگی۔ ''اندر بیٹھتے ہو یا شور مچاؤں؟'' اُس کا لہجہ دھمکی دینے والا تھا۔

رمیش نے ٹھنڈا سانس بھرا اور پھر خاموشی کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔ کار چل پڑی۔

وہ حسین عورت عمر میں چالیس برس سے کچھ کم لگ رہی تھی۔ اُس کے جسم پر تنگ جینز اور ٹی شرٹ تھی۔ اُس نے مسکرا کر رمیش کی طرف دیکھا۔

''بہت عرصے بعد ملے ہو۔'' حسین عورت بولی۔

''ہاں، مگر اب ملنے کا کیا فائدہ دیویانی!'' رمیش کی آواز سے دُکھ جھلک رہا تھا۔

''خوب! تو تمہیں میرا نام بھی اب تک یاد ہے۔'' دیویانی نے ایک سگریٹ

ہونٹوں میں دبا کر اسے لائٹر سے سلگایا، پھر مزید بولی۔ ''میرا خیال ہے تم نے اب وہسکی بھی چھوڑ دی ہوگی۔''

''اور تم...... تم کب سے پینے لگیں؟'' یہ سوال کرتے ہوئے رمیش کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''ابھی تو تم حیرت سے نہ جانے کتنے سوال کرو گے۔'' دیویانی کے خوب صورت ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے وہ کہنے لگی۔ ''اینی وے...... تم بتاؤ، سڑکوں پر یہ آوارہ گردی کب سے شروع کر دی؟''

''کئی برس ہو گئے، مگر تم......''

''پہلے مجھے سوال کرنے دو۔'' دیویانی نے رمیش کی بات کاٹ دی۔ پھر پوچھا۔

''کیا انشورنس کا کام ٹھپ ہو گیا؟''

''ہاں دیویانی!'' رمیش نے طویل سانس لیا۔

''اور وہ تمہارے پاس کار بھی تو ہوتی تھی۔'' دیویانی نے یاد دلایا۔

''ہاں ہوتی تھی، مگر اب نہ جانے کس کے پاس ہوگی۔'' رمیش نے بتایا۔

''لگتا ہے تمہاری بیوی سمجھدار نہیں نکلی۔''

''یہ گھر کے اندر کی بات ہے، باہر نہیں کر سکتا۔'' رمیش سنجیدہ اور کچھ اُداس نظر آنے لگا۔

دیویانی مسکرا کر بولی۔ ''بزرگوں نے واقعی ٹھیک کہا ہے کہ شوہر اور بیوی گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں۔ اگر ایک پہیہ کام نہ کرے تو گاڑی کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ اس کی مثال تم ہو۔ خیر یہ بتاؤ وہسکی اب بھی پیتے ہو یا چھوڑ دی؟''

''کبھی کی چھوڑ دی، اب تو پانی کے گلاس بھی گن کے پیتا ہوں۔'' رمیش نے جواب دیا۔

''اچھا خیر لنچ کہاں کرو گے؟'' دیویانی نے معلوم کیا۔

''کہیں بھی نہیں۔ اس لئے کہ کئی برس سے دوپہر کا کھانا کھاتا ہی نہیں۔ اگر کبھی کھاتا بھی ہوں تو گھر پر۔''

''ہاں، واقعی تمہاری حالت بتا رہی ہے کہ بیوی بڑے پیار سے کھلاتی ہوگی تمہیں،

مگر آج تم میرے ساتھ لنچ کرو گے۔'' دیویانی کے لہجے میں اعتماد تھا۔

''سوری دیویانی!'' رمیش نے انکار میں سر ہلایا۔ ''تم جانتی ہو کہ میں نے کسی کے لئے بھی اپنے اصول کبھی نہیں توڑے۔''

''جانتی ہوں۔ لیکن کبھی انہونی بھی تو ہو جاتی ہے۔ خیر تم کچھ نہ کھانا، میرے ساتھ بس بیٹھے رہنا۔'' دیویانی اصرار کرنے لگی۔ ''مجھے لنچ کرنا ہے اور وہسکی بھی پینی ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں نے خود کو نہ اصولوں میں باندھ کے رکھا ہے اور نہ روایات میں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں شام تک تمہارے ساتھ بھوکی رہوں تو تمہاری مرضی۔''

''مگر میرے پاس شام تک کا وقت کہاں ہے۔'' رمیش کی آواز معذرت خواہانہ تھی۔

''تمہارے پاس وقت ہو یا نہ ہو، تمہیں شام تک میرے ساتھ رہنا ہے۔'' دیویانی بضد تھی۔ رمیش چپ رہا تو اُس نے پوچھا۔ ''کیا تمہیں مجھ سے کوئی شکایت ہے؟''

''جب زندگی ہی سے کوئی شکایت نہیں تو پھر تم سے شکایت کیسی؟'' رمیش نے یہ کہہ کر سرد آہ بھری۔

''تم نے کبھی جھکنا تو سیکھا ہی نہیں۔ اگر اُس وقت تم گھر داماد بننا منظور کر لیتے تو...''

''تو اس وقت سڑک کے آوارہ کتے کی بجائے پالتو کتا ہوتا۔'' رمیش بول اُٹھا۔

''اپنے لئے اتنے گھٹیا الفاظ استعمال نہ کرو۔ تمہیں شاید خود بھی نہیں معلوم کہ تم کیا چیز ہو۔'' دیویانی بولی۔ اتنے میں کار رستے سے ایک ڈھابے ٹائپ ریسٹورنٹ کے سامنے رُک گئی۔ رمیش نے سوالیہ نظروں سے دیویانی کی طرف دیکھا تو اُس نے کہا۔

''تم دوسروں کے لئے اپنے اصول نہیں توڑ سکتے، مگر میرے پاس ٹوٹنے سے بچانے کے لئے اصول ہی نہیں۔ ہم دونوں یہاں کھانا کھائیں گے۔ اگر بل دینے کے لئے تمہارے پاس پیسے نہیں تو ڈھابے والے سے اُدھار کرا دوں گی۔ وہ مجھے جانتا ہے۔''

اسی عرصے میں ڈھابے والے کا لڑکا وہاں آ گیا اور ادب سے بولا۔ ''جی میم صاحب؟''

''چار کلچے، چار سیخ کباب اور تکے گرما گرم!'' دیویانی نے آرڈر دیا۔

''کچھ دیر لگے گی میم صاحب!'' لڑکے نے بتایا۔

''کوئی بات نہیں، میں کار آگے لے جا کے پارک کر رہی ہوں، وہیں کباب اور تکے لے آنا۔''

اقرار میں سر ہلا کر لڑکا چلا گیا۔ کار آگے جا کر فٹ پاتھ کے ساتھ رُک گئی۔ برابر ہی میں جوہو تارا کا بس اسٹینڈ تھا۔ دیویانی نے سگریٹ کا آخری کش لے کر اسے باہر اچھال دیا۔ کار کے شیشے اوپر کر کے اُس نے ڈیش بورڈ سے اَدّھا نکالا اور بولی۔

''تم سے تو پوچھنا ہی بیکار ہے۔''

''تم اتنی کب سے پینے لگیں؟'' رمیش نے حیرت سے پوچھا۔ ''وہ بھی پانی یا سوڈا ملائے بغیر۔''

''اسے تم زیادہ کہہ رہے ہو۔ ہول نائٹ سروس میں تو کبھی کبھی پوری بوتل ختم ہو جاتی ہے۔'' دیویانی نے بتایا۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو دیویانی!'' رمیش چونک اٹھا۔

''جب آنکھوں پر گھمنڈ کی چربی چڑھ جاتی ہے اور دل پر پردہ پڑ جاتا ہے تو سامنے والے کا لباس اور رکھ رکھاؤ ضرور نظر آتا ہے، مگر اس کی شخصیت اندھیرے میں گم ہو جاتی ہے۔''

''یہ بات تم اپنے ڈیڈی کے لئے کہہ رہی ہو؟'' رمیش نے سوال کیا۔

''بالکل!'' دیویانی نے اقرار کیا۔ ''جب تم نے میرے ساتھ شادی سے انکار کر دیا، محض گھر داماد بننے کی شرط نہ مان کر، اُس وقت ڈیڈی نے مجھ سے کہا تھا کہ دیکھ لو ایسے ہوتے ہیں یہ مڈل کلاس کے لوگ۔ اب میں ان سے کیا بحث کرتی کہ تم خوددار ہو!...... بہرحال میں نے سوچا کہ ڈیڈی کو چھوڑ دوں۔ مگر تمہارے اصول بھی تو مجھے معلوم تھے نا۔ تم مجھے ڈیڈی کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھانے دیتے۔'' اُس نے شراب کا گھونٹ بھر کر کہا۔ ''پھر ڈیڈی نے اپنی ٹکر کا داماد ڈھونڈ لیا اور میں بھی اُس سے شادی کے لئے تیار ہو گئی۔ اُس نے سب سے پہلے ڈیڈی ہی پر ہاتھ صاف کیا۔ فیکٹری میں کرین سے اُترتی ہوئی ایک بھاری پیٹی ڈیڈی پر گروا دی۔ اور میں نے اُن کی لاش کا پوسٹ مارٹم بھی نہیں ہونے دیا۔ یوں بھی ایک حادثاتی موت کے ڈرامے میں اُس نے کوئی جھول نہیں چھوڑا تھا۔''

''اوہ گاڈ!'' رمیش کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''تمہارے ساتھ تو بہت بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے۔

''صرف ڈیڈی کا قتل ہی میرے لئے ٹریجڈی نہیں تھا، میرے شوہر نرمل نے تو میری پوری زندگی ہی کو ٹریجڈی بنا دیا۔'' دیویانی بتانے لگی۔ ''نرمل نے اپنے مفادات کے حصول کی خاطر مجھے سیڑھی بنا لیا۔ وہ ایکسپورٹ آرڈر حاصل کرنے کے لئے وزیروں اور اُن کے سیکرٹریوں کو خوش کرتا تھا۔ اس کے لئے نرمل نے مجھے ذریعہ بنایا۔ مگر یقین کرو کہ یہ سب کچھ میری رضامندی، میری خوشی سے نہیں ہوا۔ کسی تقریب میں، میں ایک وزیر کو پسند آ گئی۔ اس پسند کی پوری قیمت تو نرمل نے وصول کی مگر قربانی میری دی۔ مجھے دانستہ اتنا نشہ کرایا گیا کہ میں اپنے حواس میں نہیں رہی۔ جب نشہ ٹوٹا تو مجھے طوفان گزر جانے کا احساس ہوا۔ میں اُس منسٹر کی خواب گاہ میں تھی اور وہ اپنے ڈرائیور کو بلا کر اُسے ہدایت دے رہا تھا کہ مجھے کہاں پہنچانا ہے۔''

رمیش سناٹے میں رہ گیا۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ دیویانی پر ایسی قیامتیں گزر جائیں گی۔ دیویانی نے پھر ایک گھونٹ لیا اور کہنے لگی۔ ''میں نے اس واقعے کے بعد کہ جس کی وجہ سے اپنی عزت و آبرو گنوا بیٹھی، اپنے شوہر نرمل کو شوٹ کر دینا چاہا۔ معلوم نہیں اُسے کس طرح میرے ارادوں کا علم ہو گیا۔ نتیجہ یہ کہ اُس نے مجھے ایک ہفتے تک بھوکا پیاسا قید رکھا اور پاور آف اٹارنی پر دستخط کرا لئے۔ پھر پتہ نہیں کیا ہوا، میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔ نرمل کو عیاشی کرتے دیکھ کے بھی میں نے احتجاج نہیں کیا۔ وہ اپنی دنیا میں مگن تھا اور میں...... میں بھی اُس کے اشاروں پہ ناچ رہی تھی۔ اُس نے مجھے دولت کمانے کا ذریعہ بنا لیا، کامیاب ذریعہ!...... پھر حکومت بدل گئی اور اینٹی کرپشن فورس بن گئی۔ ایکسپورٹ امپورٹ لائسنس کینسل ہو گئے۔ برسوں کے ٹیکس ادا کرتے کرتے سب کچھ تباہ ہو گیا۔ اب ایک کار، ایک بنگلہ، ایک نوکر اور ایک میں، یہ ہے نرمل کی کل جائیداد۔ یہ بنگلہ ڈیڈی نے بڑے چاؤ سے بنوایا تھا۔ بنگلے کو بکنے سے بچانے کی خاطر میں نے دانستہ اندھیروں کو قبول کر لیا۔ باقی بھی اب کیا بچا تھا، مجھے جس کی حفاظت کا خیال ہوتا۔ میں نے اب اپنا، نرمل اور نوکر کا پیٹ بھرنے کے لئے گناہ کے اندھیروں کو اپنی قسمت سمجھ کر قبول کر لیا ہے۔ اور...... اور

مجھے اس پر دُکھ بھی نہیں۔ اگر دُکھ کروں بھی تو کیا میری لٹی ہوئی عزت مجھے واپس مل سکتی ہے؟ تمہیں معلوم ہے رمیش یہ سب کچھ کیوں ہوا؟...... محض ایک شخص کے انکار کرنے کی وجہ سے!...... اُس کی خود داری نے میری زندگی تباہ کر دی۔ وہ...... وہ شخص تم ہو...... تم رمیش!...... کبھی جب تم مجھے یاد آتے تو میں سوچتی، اگر تمہیں میں نے کہیں دیکھ لیا تو...... تم پر گاڑی چڑھا دُوں گی۔ مگر...... اب جب کہ تم پندرہ سال بعد نظر آئے تو اس حال میں کہ تم پر غصے کی بجائے مجھے رحم آ گیا اور پیار بھی۔'' یہ کہہ کر دیویانی زور سے ہنس دی، پھر بولی۔ ''کہو تمہیں میری آپ بیتی کیسی لگی؟''

رمیش ٹھنڈا سانس بھر کے کہنے لگا۔ ''میری بلڈنگ میں ایک عورت ایسی بھی رہتی ہے جو روز ہی اپنے شرابی شوہر سے مار کھاتی ہے اور تمہیں شاید یہ سن کر حیرت ہو کہ جب اس کا شوہر بیمار پڑ جاتا ہے تو وہ دن رات ایک کر دیتی ہے۔ وہ اپنے شوہر کی خوب خدمت کرتی ہے۔''

''مجھے معلوم تھا کہ تم یہی نصیحت کرو گے کہ لوگ مجھ سے بھی زیادہ برے حال میں ہیں اور مجبور ہیں۔ مگر رمیش! میرے بارے میں تم نے شاید غلط اندازہ لگایا ہے۔ میں مجبور نہیں ہوں، اپنی خوشی سے زندگی گزار رہی ہوں۔ کیونکہ زندگی مجھے کبھی بری نہیں لگی۔''

اُسی وقت ڈھابے والا لڑکا اُن کا آرڈر لے آیا۔ وہ دونوں گرما گرم کلچے، کباب اور تکے کھانے لگے۔

''تمہیں ایک ٹپ دیتی ہوں۔'' دیویانی ایک گھونٹ بھر کے بولی۔ ''میرے شوہر کا انشورنس کر لو۔ دیکھنے میں وہ بالکل صحت مند ہے۔ کسی طرح کوئی چکر چلا کے اپنی کمپنی کے ڈاکٹر کو ہموار کر لو۔ اس کے لئے میری مدد کی ضرورت ہو تو حاضر ہوں۔ دو لاکھ تک کا انشورنس کر سکتے ہو۔ تمہارا خاصا پریمیم بن جائے گا۔''

''لیکن تم اتنی بڑی رقم ہر تین ماہ بعد کس طرح دو گی؟'' رمیش نے کہا۔

''ارے ایک یا دو قسطیں ہی بھرنی پڑیں گی۔''

''کیا مطلب؟'' رمیش نے سوال کیا۔

''مطلب یہ کہ جب نرمل نے پہلی بار مجھے گناہ کی دلدل میں دھکیلا تھا تو میرے

دل سے یہ دُعا نکلی تھی کہ میں جلد از جلد بیوہ ہو جاؤں۔'' دیویانی نے پُرسکون آواز میں بتایا۔ ''اوپر والے نے دیر شاید اس لئے لگا دی کہ میں نے خود ہی پہلی کوشش کر ڈالی۔ اب..... اب نرمل کو کینسر ہو گیا ہے، مگر اُس نے اپنی دانست میں یہ راز مجھ سے چھپا رکھا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ فیملی ڈاکٹر نے مجھے اُس کی خطرناک بیماری کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ اُس کا کینسر لاعلاج ہے۔ پھر بھی ابھی وہ زندہ ہے، خوب وہسکی پیتا اور عیاشی کرتا ہے اور میں خوش رہتی ہوں کہ اُس سے جلد جان چھوٹ جائے گی۔''

''اور تم کہہ رہی ہو، میں اُس کا انشورنس کر لوں؟''

''ہاں، مجھے معلوم ہے کہ یہ بات تمہارے اصول کے خلاف ہے۔'' دیویانی نے کہا۔ ''لیکن اپنے جوان بیٹے اور بیٹی کی خاطر تو تم یہ اصول توڑ سکتے ہو۔''

''نہیں، اپنی اولاد کا مستقبل بہتر بنانے کے لئے بھی میں اپنے اصول کا سودا نہیں کر سکتا۔'' رمیش کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔

''تم سے ایک بات کہنی تھی مجھے کہ اگر میں مر جاؤں تو میری چتا کو تم آگ لگانا!'' یہ کہتے ہوئے دیویانی کی آواز بھاری سی ہو گئی۔

''یہ حق تو تمہارے شوہر نرمل کا ہے۔'' رمیش بولا۔

''میں نے یہ حق نرمل سے اُسی دن چھین لیا تھا جب اُس نے پہلی بار اپنے مفادات کی سولی پر لٹکایا تھا۔'' دیویانی بتانے لگی۔ ''میں نے اُس سے کہہ دیا تھا کہ اب میرا اور اس کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ شوہر اور بیوی کی حیثیت سے ہم دونوں اپنے ازدواجی حقوق کبھی استعمال نہیں کریں گے۔ اگر کبھی وہ اس ارادے سے میرے قریب بھی آیا تو میں خودکشی کر لوں گی۔ میں اُس کے لئے ایک بیئرر چیک ہوں اور ہر بزنس مین بیئرر چیک کو بہت سنبھال کے رکھتا ہے۔''

''دیویانی! ابھی تو شام ہونے میں بہت دیر ہے جبکہ تم بضد ہو کہ میں شام تک ساتھ رہوں۔'' رمیش نے کہا۔

''میرے پاس سن اینڈ سینڈ میں ہر وقت ایک روم بک رہتا ہے..... آج مجھے اپنے چرن چھو کر مانگ سے لگا لینے دو!'' دیویانی جذباتی ہو گئی۔

''نرمل تو خیر مرنے والا ہے، مگر میری بیوی سلوچنا زندہ ہے۔ جب تک سلوچنا زندہ

ہے، تم ایسا خواب کبھی نہ دیکھنا۔'' رمیش کے لہجے میں تاکید تھی۔

''اگر وہ میرے نصیب سے مر جائے تو؟''

''تمہارا نصیب ایسا کہاں! وہ صحت مند ہے۔ اگر کبھی وہ بیمار پڑی بھی تو میں گھر کا راشن لانے کے بجائے اُس کا علاج کراؤں گا۔''

''ٹھیک ہے، پھر بھی میں ایک بار بھگوان سے تمہیں پا لینے کی پرارتھنا ضرور کروں گی۔'' دیویانی بولی۔

''تمہاری پرارتھنا میرے اصولوں سے ٹکرا کر لوٹ جائے گی۔ اگر اس طرح لمحوں میں رشتے ٹوٹنے لگیں پھر تو کچھ باقی نہ رہے۔ ہماری روایات ہمیں بہت عزیز ہیں۔ ہمارا ملک انہی روایات، انہی رشتوں کی بنیاد پر تو قائم ہے۔''

''کیا نرمل کسی اور ملک میں پیدا ہوا تھا؟'' یہ کہتے ہوئے دیویانی کے لہجے میں چبھن تھی۔ پھر بولی۔ ''رمیش! ایک بار پہلے بھی تم نے اپنے اصولوں کی خاطر مجھے ٹھکرا دیا تھا۔ دیکھ لو، اسی وجہ سے تم آج تک در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہو۔ آج میں پھر تمہارے چرن چھو کر مانگ سے لگا لینے کو کہہ رہی ہوں تو انکار کر رہے ہو۔ یہ تمہاری دوسری بھول ہے۔ بہرحال میں بھگوان سے پرارتھنا کروں گی اور جب وہ پوری ہو جائے گی تو تم دہائی مت دینا۔ اگر ہم دونوں بوڑھے ہو گئے تو بھی میں تمہارے چرن چھوؤں گی۔ ورنہ..... میں تمہیں بد دُعا دوں گی کہ اگلے جنم میں تم میرے شوہر بنو۔ مگر نرمل جیسے شوہر!''

رمیش یہ سن کے کانپ اُٹھا۔

۞......۞

امرتا کلاس سے نکل کر کمپاؤنڈ میں آئی اور ایک لڑکی سے پوچھنے لگی۔ ''ورشا آج کالج نہیں آئی؟''

''آتی تو تمہارے ہی ساتھ ہوتی۔'' لڑکی نے جواب دیا۔ ''تمہی تو اُس کے سب سے زیادہ قریب ہو۔''

''آج دوسرے ہی پیریڈ میں چھٹی کیوں ہو گئی؟'' امرتا نے لڑکی سے دریافت کیا۔ ''تمہیں اس کی وجہ معلوم ہے؟''

"حیرت ہے تمہیں خبر نہیں کہ بڑی بی لڑھک گئیں!" لڑکی بولی۔ پھر امرتا کے استفسار پر بتایا۔ "وہی پرنسپل کی بڑی بہن جو لائبریرین کی پوسٹ پر تھیں۔"

لڑکی یہ بتا کر چلی گئی۔ امرتا سوچ رہی تھی کہ ورشا کالج کیوں نہیں آئی۔ وہ ہوتی تو فون کر کے کشور کو بلا لیتی۔ آج تو کشور کے ساتھ خاصا وقت گزارا جا سکتا تھا۔ وہ یہی سوچتی ہوئی پھاٹک کی طرف بڑھتی رہی۔ اُس کی چشم تصور میں کشور کا سراپا گھوم رہا تھا۔ اسی کے ساتھ سن اینڈ سینڈ کا خواب ناک ماحول! امرتا کے لئے کشور کی شخصیت بڑی پُرکشش تھی۔ اُسے کشور کے انداز میں اپنا پن محسوس ہوا تھا۔ اس وقت بھی وہ کشور ہی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کیا وہ مجھے اپنا لے گا؟ اُس کی ایئر کنڈیشنڈ کار اور بڑے نوٹوں سے بھرا ہوا پرس بالکل ایسا ہی تھا جیسا امرتا فلموں میں دیکھ چکی تھی۔

اپنے خیالوں میں گم امرتا بس اسٹاپ کی طرف بڑھ رہی تھی کہ وہی شاندار کار اُس کے سامنے آ کے رُک گئی۔ اُس کا دل زور سے دھڑک اُٹھا۔ کشور مسکرا کر اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس نے دوسری طرف کا دروازہ کھول کر امرتا کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

امرتا کار میں بیٹھ گئی تو کشور نے پوچھا۔ "کیسی ہو امرتا؟"

"جی ٹھیک ہوں۔" اُس نے جواب دیا۔

کشور نے کار آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم حیران نہیں ہوئیں کہ مجھے کیسے پتہ چل گیا کہ تمہاری چھٹی جلدی ہو جائے گی؟"

"مجھے تو بس یہ خبر ہے کہ میں آپ کے خیالوں میں گم تھی کہ آپ سامنے آ گئے۔" امرتا نے بتایا۔ "شاید اسی کو دل سے دل تک ان دیکھا راستہ کہتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" کشور بولا۔ "کئی روز سے تم نہیں ملی تھیں اس لئے کچھ بے چین سا تھا۔ آج تمہیں دیکھ کر دل کو قرار آیا ہے۔ میں چھٹی کے وقت ہی آتا کہ ممی کے ذریعے یہ خبر ملی، تمہاری پرنسپل کی بڑی بہن کا دیہانت ہو گیا ہے تمہاری پرنسپل میری ممی کی پرانی سہیلی ہیں۔ میں ممی کو انہی کے گھر چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ خیریت ہوئی کہ میں وقت پر پہنچ گیا، ذرا سی بھی اور دیر ہو جاتی تو تم نکل گئی ہوتیں۔ جانتی ہو، میں نے دانستہ تمہیں اپنا موبائل نمبر نہیں دیا تھا۔"

"وہ کیوں؟" امرتا نے حیرت سے پوچھا۔

"ممی کی نظر میں تمہارا امیج میں خراب کرنا نہیں چاہتا۔" کشور نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میری بہت سی جان پہچان والیاں ہیں۔ وہ اکثر مجھے فون کرتی رہتی ہیں۔ ممی اُن میں سے کسی کو بھی پسند نہیں کرتیں۔ اُن میں سے کوئی بھی ممی کی بہو بننے کے لائق نہیں۔ مگر...... مگر تمہاری تو بات ہی اور ہے۔ تمہیں میں اپنی ممی کے سامنے سرپرائز کے طور پر کھڑا کروں گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ پہلے میں خود مطمئن ہو جاؤں کہ اب تم ممی کی خواہش اور پسند کے مطابق بن گئی ہو۔ بات یہ ہے امرتا کہ میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔ ممی کو میں ٹال نہیں سکتا اور تمہیں کھونے کا میرے اندر حوصلہ نہیں۔ معلوم نہیں امرتا، تم نے مجھ پر کیا جادو کر دیا ہے۔

کشور کے آخری الفاظ ساعت کے راستے امرتا کے دل میں اتر گئے۔ اُس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب سی ہونے لگیں۔

"آج تمہاری چھٹی جلدی ہو گئی ہے۔" کشور کچھ توقف کے بعد کہنے لگا۔ "ظاہر ہے اس کا علم تمہارے گھر والوں کو نہیں ہے۔ اس لئے ہم آج خاصا وقت ایک ساتھ گزاریں گے۔"

"جی۔" امرتا کی آنکھوں میں ستارے جھلملا رہے تھے۔

"آج تو تمہارے چہرے پر بڑی تازگی ہے، بالوں میں بھی چمک ہے اور جسم سے بھی خوشبو اُٹھ رہی ہے۔" کشور نے تعریف کی۔

"جی میں نے غیر ملکی صابن، شیمپو اور میک اپ کا سامان خرید لیا ہے۔" امرتا نے خوش ہو کر بتایا۔

"ویری گڈ! تمہارے ڈیڈی نے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا؟" کشور نے سوال کیا۔

"ابھی تو اُنہیں اندازہ ہی نہیں ہوا۔ ویسے میں کوشش کر رہی ہوں کہ اُن کے سامنے نہ آؤں۔"

"مگر آج تو میں تمہیں کپڑے، جوتے اور سینڈل بھی دلواؤں گا۔ یہ مسئلہ کیسے حل کرو گی؟"

امرتا کے انکار پر کشور نے استفسار کیا تو وہ قدرے جھجکتے ہوئے کہنے لگی۔ "اب

آپ سے کیا چھپانا، میری ایک بیوہ موسی ہیں۔ اُن کے بہو بیٹے اُنہیں پلٹ کر بھی نہیں پوچھتے۔ بیٹی داماد بھی دیکھنے نہیں آتے۔ ہم لوگ نہ ہوتے تو نہ جانے موسی پر کیا گزرتی۔''

''اچھا۔'' کشور نے طویل سانس لیا۔''تو اُنہیں مالی مشکلات درپیش ہیں۔''

''جی......'' امرتا نے سر ہلایا۔''پانچ سو روپے مہینے کرائے کی کھولی میں رہتی ہیں۔ چار ماہ کا کرایہ چڑھ گیا ہے۔ ڈیڈی کی آمدنی برائے نام ہے اور ویسے بھی......''

''ارے تو بس اتنی سی بات ہے۔'' کشور بول اُٹھا۔''دو ہزار سے زیادہ کے تو میں تمہیں کپڑے اور جوتے دلوانے والا تھا۔'' کشور نے پرس میں سے تین ہزار روپے نکالے اور امرتا کی طرف بڑھا دیئے۔''تمہاری موسی میری بھی موسی ہوئیں۔ اس ناتے اُن کا مسئلہ حل کرنا میرا فرض ہے۔ تمہیں کوئی اور ضرورت ہو تو بلا جھجک کہہ دینا۔ ہزار روپے میں نے اس لئے زیادہ دیئے ہیں کہ موسی کو کرائے کے علاوہ کوئی اور ضرورت بھی پیش آسکتی ہے۔''

''میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔'' امرتا کے لہجے سے اظہار ممنونیت ہو رہا تھا۔

''کیا بات کرتی ہو! تم ہمارے گھرانے کی بہو ہو اور میرا جو کچھ بھی ہے اُس پر تمہارا برابر کا حق ہے۔ ان روپوں کی تو حیثیت ہی کیا ہے، جب تم بہو بن کر ہمارے گھر میں قدم رکھو گی تو ممی سیف کی چابیاں بھی تمہی کو سونپ دیں گی۔'' کشور کہنے لگا، پھر اُس نے ایک شاپنگ سینٹر کی پارکنگ میں کار روک دی اور بولا۔''میں تمہیں کپڑے اور جوتے بھی دلواؤں گا، اسی کے ساتھ ترکیب بھی بتاؤں گا کہ تم اپنے ڈیڈی کے پوچھنے پر اُن سے کیا کہو۔''

''کیا مطلب؟'' امرتا ہڑبڑا گئی۔

''اس شاپنگ سینٹر میں ایک نیا اسٹور کھلا ہے جہاں گاہکوں کو راغب کرنے کے لئے ایک نئی اسکیم چل رہی ہے۔ میں تمہیں اس اسکیم کا اشتہار دلوا دوں گا۔ اس اسکیم کے مطابق اسٹور سے دس روپے کی کوئی بھی چیز خریدنے والے کو ایک لکی کوپن ملتا ہے۔ اگر لکی ڈرا میں کوپن پر درج نمبر نکل آئے تو جیتنے والا اس اسٹور سے دس ہزار

روپے کا سامان مفت حاصل کر سکتا ہے۔ کہو، ہے نا زوردار اسکیم؟'' کشور نے کہا۔

''آؤ!'' اُس نے کار کا دروازہ کھولا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں شاپنگ سینٹر میں داخل ہو رہے تھے۔

وہ اندر پہنچے تو واقعی نیا اسٹور قیمتی اور عمدہ سامان سے جگمگا رہا تھا۔ سب سے پہلے امرتا نے جوتے دیکھے، اس کے بعد سینڈل۔ خوب صورت پٹیوں والا ایک سینڈل پیر میں پہن کر اُس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اُسی وقت کشور بول اُٹھا۔''مائی گاڈ، امرتا! تمہارے تو پیروں کا حسن نکھر آیا۔''

پھر کشور نے اُسے دو جوڑے بھی دلوائے۔ وہ تو اُسے ڈھیروں شاپنگ کرانا چاہتا تھا مگر امرتا نے سختی سے انکار کر دیا۔ وہ خود کو شرمندہ شرمندہ سا محسوس کر رہی تھی۔ شلوار قمیض کے سوٹ، اُن کے دوپٹے، چند سوٹ، اُن کے دوپٹے، چند رومال اور ضرورت کی دوسری چھوٹی موٹی چیزیں سب ایک پیکٹ میں پیک کرا دی گئیں۔ جب بل ادا کر کے کشور آگے بڑھا تو اسٹور کے ایک ملازم نے سامان کا پیکٹ اٹھا لیا اور ان کے ساتھ چلنے لگا۔

پارکنگ میں آ کر کشور نے کار کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ اسٹور کے ملازم نے پیکٹ پچھلی سیٹ پر رکھ دیا۔

''یہ لو!'' کشور نے پانچ روپے کا ایک نوٹ ملازم کی طرف بڑھا دیا۔

ملازم شکریہ ادا کر کے واپس چلا گیا۔ وہ دونوں کار میں بیٹھ گئے۔

کار سڑک پر آ کے یکساں رفتار سے دوڑنے لگی تو کشور نے امرتا کو مخاطب کیا۔

''امرتا! تمہیں بتا نہیں سکتا کہ میں نے خود پر کس طرح قابو پایا ہے۔ تم حسین ہو، یہ تو معلوم تھا مگر اس قدر حسین ہو، یہ آج بلکہ ابھی معلوم ہوا ہے۔ اسٹور میں موجود شاپنگ کے لئے آئی ہوئی خواتین بڑے رشک سے تمہیں دیکھ رہی تھیں۔''

امرتا نے منہ سے تو کچھ نہ کہا، مگر اُس کا دل خوشی سے بے قابو تھا۔ اس سے پہلے کبھی کسی نے اُسے اس خوبصورتی کا احساس ہی نہ دلایا تھا۔ ویسے بھی کشور اُس کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا۔ امرتا نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اُس کی محبت میں گرفتار ہو جانے والا اتنا دولت مند ہوگا، اس قدر خوبصورت اور پُرکشش ہوگا اور اُسے

ٹوٹ کر جا ہے گا۔ کشور کے تعریف کرنے کا انداز اُس کے دل میں بس گیا تھا۔

کچھ سفر اور طے ہوا تھا کہ کشور نے شراب کی ایک دُکان کے سامنے کار روک دی اور اترتے ہوئے بولا۔ ''ابھی آیا۔''

جب کشور واپس آیا تو اُس کے ہاتھوں میں بیئر کے ڈبے اور وہسکی کی ایک بوتل تھی۔

''آج تو تم شام تک میرے ساتھ ہو۔'' کشور نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''اُس روز تم نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ بیئر میں کتنا ہلکا سرور ہوتا ہے۔''

''نہیں......نہیں!'' امرتا کی آواز میں احتجاج تھا۔ ''میں بیئر نہیں پیوں گی۔''

''دیکھو امرتا، آج تم اتنی پیاری لگ رہی ہو کہ میں تمہیں پلائے بغیر نہیں رہوں گا۔'' کشور ضد کرنے لگا۔ ''اب تم انکار کرنا چھوڑ دو۔ اونچی سوسائٹی میں یہ سب چلتا ہے۔ بیئر کے استعمال سے چہرے کا رنگ نکھرتا ہے اور شادابی آجاتی ہے۔''

کشور نے بیئر کا ایک ڈبہ کھول کر امرتا کو دے دیا۔ امرتا اس بار انکار نہ کرسکی۔ کشور نے وہسکی کی بوتل کھولی اور ''چیئرس'' کر کے منہ سے لگالی۔ امرتا نے بھی ایک گھونٹ بھرا۔ حیرت انگیز طور پر آج اُسے بیئر میں معمولی کڑواہٹ کا بھی احساس نہ ہوا بلکہ لطف آیا۔

''لنچ ہم دو بجے لیں گے۔'' کشور نے امرتا کو بتایا۔ ''ابھی ساڑھے دس بجے ہیں۔ یہ وقت ہم جوہو کی کار پارکنگ میں گپ شپ کرتے ہوئے گزاریں گے۔ مجھے سمندر بہت اچھا لگتا ہے، مگر ضروری نہیں کہ تمہاری بھی پسند یہی ہو۔ کہو تو کہیں اور چلیں۔''

''نہیں، جوہو ہی چلیں۔'' امرتا بولی۔

''ارے ہاں تمہیں معلوم ہے کہ ورشا آج کالج کیوں نہیں آئی؟'' کشور کہنے لگا۔

''نہیں تو۔'' امرتا نے جواب دیا، پھر پوچھا۔ ''کیوں، کیا ہوا؟''

''اُس نے مجھے فون پر بتایا تھا کہ اچانک اُس کی ماں کو ہسپتال میں آج صبح داخل کرانا پڑا۔ اُن کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تھی۔'' کشور نے بتایا۔

''بھگوان جانے وہ کس حال میں ہوں گی۔'' امرتا نے اظہار افسوس کیا۔

''ہر بیماری کا علاج ممکن ہے۔ اور اب تو ٹی بی کو لاعلاج مرض نہیں سمجھا جاتا۔'' کشور نے کہا۔ ''اُن کا علاج میں کرا دیتا، مگر ورشا کا سوتیلا باپ......''

کشور کچھ کہتے کہتے رُک گیا تو امرتا نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا؟......ورشا کا باپ سوتیلا ہے؟''

''ہاں۔ وہ کسی فیکٹری میں مزدوروں کا سپروائزر ہے۔ تم کبھی اُس کے گھر نہیں گئی ہوگی۔ کسی کو وہ اپنے گھر نہیں لے جاتی۔''

''وہ کیوں؟'' امرتا نے دریافت کیا۔

''وہ لوگ باندرہ کالونی ایسٹ کے فورتھ کلاس کی ایک کھولی میں رہتے ہیں جہاں چار کھولیوں کے لئے ایک بیت الخلا ہے۔'' کشور بتانے لگا۔ ''ورشا کے سگے والد فیکٹری میں سول انجینئر تھے۔ اُسی فیکٹری میں ورشا کا سوتیلا باپ گوپی چند سپروائزر تھا۔ ورشا کے گھر گوپی کا آنا جانا تھا۔ کاٹیج اُنہیں فیکٹری کی طرف سے ملا ہوا تھا۔ گوپی چند اُن کے گھر کا سودا وغیرہ لا دیتا تھا۔ تب ورشا گیارہ سال کی تھی۔ بدقسمتی سے ایک حادثے میں ورشا کے والد کی جان چلی گئی۔ پھر ان لوگوں کو فیکٹری سے ملا ہوا کاٹیج خالی کرنا پڑا تو گوپی چند، ورشا اور اُس کی ماں کو اپنی کھولی میں لے آیا۔ پھر کچھ دن بعد گوپی چند نے ورشا کی ماں سے شادی کرلی۔ دراصل ورشا کی والدہ تعلیم یافتہ نہیں تھیں کہ کہیں نوکری کر کے اپنا اور ورشا کا پیٹ بھر سکتیں۔ اُنہیں سہارے کی ضرورت تھی اسی لئے انہوں نے گوپی چند کو اپنی زندگی کا مالک بنالیا۔'' یہ کہتے ہوئے کشور نے امرتا کے اُداس چہرے پر نظر ڈالی اور بولا۔ ''میں نے بھی اس وقت کیا ذکر چھیڑ دیا!...... یہ لمحے تو تمہارے حسن کی تعریف کے لئے ہیں۔'' کشور نے اپنا ہاتھ امرتا کی طرف بڑھایا۔

امرتا نے مزاحمت نہیں کی اور اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔ کشور ڈرائیونگ کرتے ہوئے سامنے سڑک کی طرف نہیں، امرتا کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک امرتا کی نظر ایک ٹرک پر پڑی جو تیزی کے ساتھ ایک ذیلی سڑک سے نکل کر کار کے سامنے آگیا۔

''کشور!...... وہ ٹرک!'' امرتا چیخ اُٹھی۔ پھر اُس کے ذہن پر اندھیرے کی چادر پھیل گئی۔ اُس کا آخری احساس یہ تھا کہ کار، ٹرک سے ٹکرانے والی تھی......!

امرتا کو ہوش آیا تو کچھ دیر تک اُسے یاد نہ آ سکا کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے؟ پھر دھیرے دھیرے اُس کے ذہن نے کام کرنا شروع کیا۔ اُس نے سوچا کہ وہ کشور کے ساتھ تھی۔ کشور نے اُس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور سامنے سڑک کی طرف نہیں، اُسے دیکھ رہا تھا۔ ایک ذیلی سڑک سے اچانک ہی تیز رفتار ٹرک، کار کے سامنے آ گیا اور وہ چیخ اُٹھی تھی۔ پھر اُسے ہوش نہیں رہا تھا۔ اُس نے یہ سوچتے ہوئے آنکھیں کھول دیں تو حیران رہ گئی۔ سنبھل کر بیٹھتے ہوئے اُس کی نظر کشور پر پڑی جو تیز رفتاری سے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ کار تو ٹرک سے ٹکرانے والی تھی، پھر کیا ہوا؟ امرتا کے ذہن میں سوال اُبھرا اور عین اُسی لمحے کشور اُس کی طرف دیکھ کر خلاف توقع چونک اُٹھا۔

''ہوش...... تمہیں ہوش آ گیا؟'' کشور نے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

''ہاں، مگر...... مگر...... کہاں؟...... آپ اتنی رفتار سے کار دوڑاتے ہوئے مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟...... اور......''

''جہاں لے جا رہا تھا، اب نہیں لے جاؤں گا۔'' کشور نے امرتا کی بات کاٹ دی۔

''کہاں لے جا رہے تھے؟'' امرتا بول اُٹھی۔

''ڈاکٹر کے پاس۔'' کشور نے جواب دے کر طویل سانس لیا۔ ''میں نے تمہیں بہت جھنجھوڑا، بڑی کوشش کی مگر کسی طرح تم ہوش ہی میں نہیں آئیں۔ مجبور ہو کے مجھے یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ تمہیں کسی ڈاکٹر کو دکھا دوں، سو وہیں جا رہا تھا۔ کار کی رفتار اسی لئے تیز رکھی تھی کہ جلد از جلد منزل تک پہنچ جاؤں، لیکن اب اس کی کوئی ضرورت نہیں رہی کیونکہ تمہیں ہوش آ چکا ہے۔'' کشور نے یہ کہتے ہوئے کار کی رفتار کم کر دی۔

''اور وہ...... وہ ٹرک؟'' امرتا نے پوچھا۔ ''وہ تو کار سے ٹکرانے والا تھا۔''

''ہاں شاید ایسا ہی ہوتا، مگر عین وقت پر تمہارے چیخ اٹھنے سے حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔'' کشور بتانے لگا۔ ''تمہارے چیختے ہی میں نے تیزی کے ساتھ کار بائیں جانب موڑی اور اُسی لمحے تیز رفتار ٹرک قریب سے گزر گیا۔ تصادم کے خوف سے اگر تم ہوش نہ کھو بیٹھتیں اور میں کار کو روک کر تمہاری طرف متوجہ نہ ہو جاتا تو ہرگز اُس ٹرک والے کو فرار نہ ہونے دیتا جس نے ہم دونوں کی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔''

''آپ تو اسے محض خطرہ کہہ رہے ہیں، مجھے تو سو فیصد یقین ہو چکا تھا کہ وہ ٹرک، کار سے ٹکرانے والا ہے۔'' امرتا نے کہا۔

''اسی دہشت نے تو تمہیں بے ہوش کر دیا تھا۔'' کشور بولا۔ ''خیر چھوڑو اس ذکر کو۔''

''اب کہاں چل رہے ہیں؟'' امرتا نے دریافت کیا۔

''وہیں جہاں کا پہلے پروگرام بنایا تھا۔'' کشور نے جواب دیا۔ ''کیا تم بھول گئیں کہ ہمیں جوہو جانا تھا۔''

''نہیں یاد ہے۔'' امرتا نے اقرار میں سر ہلایا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد کشور کی کار، جوہو کے پارکنگ لاٹ میں رُک گئی۔

کشور نے بیئر کا ایک ڈبہ امرتا کو تھماتے ہوئے کہا۔ ''اب اس ڈبے کو ختم کرو تا کہ تمہارا موڈ ٹھیک ہو جائے۔''

امرتا نے کسی جھجک کا مظاہرہ نہیں کیا اور گھونٹ گھونٹ بیئر پینے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں اُس کے حواس پر ہلکا ہلکا سرور چھانے لگا۔

کشور نے کسی ماہر کھلاڑی کی طرح امرتا کی طرف دیکھا اور اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

امرتا نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔

''کتنے خوب صورت ہیں تمہارے ہاتھ!'' کشور خواب ناک سی آواز میں کہنے لگا۔ ''یوں لگتا ہے جیسے تمہارے ہاتھ ریشم کے بنے ہوں۔ یقین کرو امرتا، آج تم مجھے اتنی پیاری لگ رہی ہو کہ جی چاہتا ہے تمہیں اپنے دل میں رکھ لوں۔''

کشور کے الفاظ سن کر امرتا کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا۔

ہاتھ چھوڑ کر کشور نے اُس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور پھر کشور کا چہرہ اُس کی طرف جھکا ہی تھا کہ امرتا کے ہاتھ درمیان میں آ گئے۔ وہ کسی قدر بوجھل سی آواز

میں بولی۔ ''نو...... فاؤل!''

''امرتا پلیز!'' کشور نے خوشامد کی۔

امرتا نے اپنے سر کو زور سے جھٹکا اور ہانپتے ہوئے کہنے لگی۔ ''یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟''

''امرتا پلیز! مجھے محبت کا خراج ادا کرنے سے نہ روکو۔ اب تم میری ہو۔ آج نہیں تو کل ہماری شادی ہونی ہے۔ ہمارے پھیرے ہو ہی جائیں گے۔''

امرتا کے چہرے پر تناؤ نظر آنے لگا۔ پھر اُس نے کہا۔ ''یہ سب کچھ پھیروں کے بعد ہی اچھا لگتا ہے۔ اس سے پہلے یہ پاپ (گناہ) ہے۔''

''کوئی پاپ نہیں ہے۔'' کشور نے تردید کی۔ ''ہم دونوں ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں اور پیار کرنے والوں کے بیچ کوئی دیوار نہیں ہوتی۔''

''بالکل دیوار ہوتی ہے۔'' امرتا کا لہجہ بدل گیا۔ اب اُس کے لہجے سے سختی جھلک رہی تھی۔ وہ تیز آواز میں بولی۔ ''پیار کرنے والوں کے درمیان بھی قانون، معاشرے، مذہب اور اخلاق کی دیوار ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شادی بیاہ کا رواج ہی ختم ہو جاتا۔''

امرتا کی دلیل بڑی مضبوط اور وزنی تھی مگر کشور تو جیسے سب کچھ سن کر بھی سماعت سے محروم ہو رہا تھا۔ اُس نے ''امرتا پلیز!'' کہہ کر اُس کے دونوں کندھے کس کے پکڑ لئے، مگر امرتا نے پوری قوت سے اُسے پیچھے دھکیل دیا۔

کشور نے پھر ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آج مجھے مایوس نہ کرو، میں تم سے سچا پیار کرتا ہوں۔''

چٹاخ......! امرتا کا ہاتھ پوری قوت سے کشور کے منہ پر پڑا اور وہ ہکا بکا سا اُسے دیکھتا رہ گیا۔

امرتا کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ اُس نے اپنے پرس میں سے کشور کے دیئے ہوئے نوٹ نکال کر اُس کے منہ پر دے مارے اور بولی۔ ''کشور بابو! جہاں سچا پیار ہوتا ہے وہاں ہوس نہیں ہوتی۔ اگر آپ ان نوٹوں سے میری پاکیزگی کو خریدنا چاہتے ہیں تو یہ آپ کی بھول ہے۔ میں بکاؤ مال نہیں ہوں۔ میں آپ کے دیئے ہوئے پچھلے

ایک ہزار روپے بھی لوٹا دوں گی۔'' پھر وہ طیش کے عالم میں ہی کار کا دروازہ کھولنے لگی۔

کشور نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر رحم طلب سی نظروں سے اُسے دیکھا۔ امرتا نے قہر بھری نگاہ کشور پر ڈالی اور جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

دوسرے ہی لمحے اچانک کشور بہت زور سے ہنس پڑا۔ امرتا حیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔ کشور اس قدر ہنسا کہ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ چند لمحے بعد اُس نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھے اور بڑی مشکل سے ہنسی روکتے ہوئے بولا۔ ''بائی گاڈ امرتا، تم نے اس وقت میری بہت بڑی اُلجھن دُور کر دی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ خوشی سے ناچوں یا روؤں! ارے امرتا، یہی تو تمہارا آخری امتحان تھا۔''

''آخری امتحان؟'' امرتا نے حیرت کا اظہار کیا۔

''ہاں امرتا! تمہارے طبقے کی اکثر لڑکیاں دولت کے حصول کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیتی ہیں۔'' کشور نے جواب میں کہا۔ ''میں تمہیں آزما رہا تھا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کہیں میرے انتخاب میں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی۔ پچھلی بار تم نے بڑی مشکل سے ایک ہزار روپے لئے تھے مگر آج خود ہی روپے مانگ لئے، وہ بھی پہلے سے زیادہ۔ اس کے علاوہ تم نے میرے ساتھ شاپنگ بھی کی...... مگر بھگوان کی کرپا (مہربانی) سے میں سرخرو رہا۔ میرا شک دُور ہو گیا۔ غلطی پر میں تھا امرتا، تم نہیں۔'' کشور نے امرتا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں سے لگا لیا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔ ''آئی ایم سوری امرتا! اگر اس امتحان کی وجہ سے تمہارے دل کو ٹھیس لگی ہو تو میں ہر سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔ میں آج تک تم سے صرف پیار کرتا تھا، مگر اب تمہاری پوجا کرنے لگا ہوں۔ تم میرے من مندر کی دیوی ہو۔''

''کشور!'' امرتا کی آواز کانپ گئی۔

''ہاں امرتا، اب تم میری زندگی کی ساتھی بنو گی۔ میرا وچن ہے کہ جب تک تمہاری مانگ میں سیندور نہ بھر دُوں اُس وقت تک تمہارے جسم کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔''

امرتا کے ہونٹ ایک مرتبہ پھر کانپے۔ دوسرے ہی لمحے کشور نے اُسے خود سے قریب کر لیا اور اُس کے بالوں میں منہ چھپا کر رونے لگا۔ امرتا کی آنکھوں میں بھی

جذبات کی شدت سے آنسو تیرنے لگے۔ وہ اس پر خوش تھی کہ امتحان پر پوری اُتری تھی۔

⚙......⚙
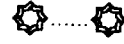
کار ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں رُک گئی۔ کشور نے اُتر کر کار کا دروازہ کھولا۔ امرتا بھی اُتر آئی۔

کشور اور امرتا کچھ ہی دیر بعد ہسپتال کی عمارت میں داخل ہو رہے تھے۔ کشور کے ہاتھ میں سیبوں سے بھرا ہوا تھیلا تھا۔

جنرل وارڈ کے بیڈ نمبر گیارہ پر ایک ادھیڑ عمر دُبلی پتلی عورت لیٹی ہوئی تھی۔ امرتا کے اصرار پر ہی کشور اُسے وہاں لے کر آیا تھا۔ بیڈ پر لیٹی ہوئی عورت کی رنگت پیلی ہو رہی تھی اور ہڈیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔ وہ عورت غالباً بے ہوش تھی۔ سانس بھی وہ بمشکل ہی لے رہی تھی۔

''شریمتی کسم دیوی یہی ہیں؟'' کشور نے برابر والے بیڈ کی مریضہ سے پوچھا۔

مریضہ نے حیرت سے کشور کی طرف دیکھا، پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ان کی بیٹی ورشا کہاں ہے؟'' کشور نے مریضہ سے دوسرا سوال کیا۔

''وہ باہر کسی کو فون کرنے گئی ہے۔'' مریضہ نے جواب دیا۔

امرتا نے کسم دیوی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ ''انہیں کب سے ہوش نہیں آیا؟''

''دو بار خون کی قے ہوئی تھی۔'' مریضہ بتانے لگی۔ ''ان کو انجکشن لگا کر بے ہوش کیا گیا ہے، اب خون کی بوتلیں چڑھیں گی۔ شاید ورشا اسی کا بندوبست کرنے گئی ہے۔''

''ہمیں آنے میں دیر ہو گئی۔'' کشور پُر تاسف آواز میں بولا۔ ''امرتا! تم یہیں ٹھہرو، میں ورشا کو دیکھ کر آتا ہوں۔''

کشور چلا گیا تو امرتا لوہے کے بینچ پر بیٹھ گئی اور برابر والی مریضہ سے کہا۔ ''ان کی زندگی کو کوئی خطرہ تو نہیں ہے؟''

''مرض کا علاج دو طرح ہوتا ہے بیٹی۔ دُعا اور دوا سے۔ اگر دوا وقت پر مل جائے تو مرتا ہوا آدمی بھی زندہ بچ جاتا ہے۔'' مریضہ کہنے لگی۔ ''ان لوگوں نے کسم کو ہسپتال لانے میں بہت دیر کر دی، بہت وقت گنوا دیا۔ اس پر ڈاکٹر بھی بگڑ رہے تھے۔''

امرتا کو اپنی قریبی سہیلی ورشا کی ماں کا حال سن کر بہت رنج ہوا۔ اُسے اپنا دل سینے میں ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ورشا آ گئی۔ اُس کی آنکھیں سوجی ہوئی اور ویران تھیں، ہونٹ خشک تھے۔

امرتا کو دیکھ کر ورشا اُس سے لپٹ گئی۔ دونوں رونے لگیں۔ ورشا کو تھپکتے ہوئے امرتا بولی۔ ''گھبرا مت۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''تم اکیلی تو نہیں آ سکتیں کیونکہ میں نے کشور ہی کو اس ہسپتال کے بارے میں بتایا تھا۔ تمہارے ساتھ وہ بھی ہیں نا؟'' ورشا نے خود کو سنبھالتے ہوئے معلوم کیا۔

''ہاں، میں اُنہی کے ساتھ آئی ہوں۔'' امرتا نے بتایا۔ ''وہ تجھ ہی کو دیکھنے کے لئے گئے ہیں۔'' پھر وہ دوسری مریضہ کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ ''انہوں نے بتایا تھا تو فون کرنے گئی ہے۔''

''باپو کو فون کیا تھا۔ دواؤں اور خون کی بوتلوں کی ضرورت ہے۔'' ورشا دھیمی آواز میں بولی۔

''پھر؟...... کچھ بندوبست ہوا؟'' امرتا نے دریافت کیا۔

''دواؤں اور خون کی بوتلیں خریدنے کے لئے انہوں نے ایک پڑوسی سے رقم کا بندوبست کر لیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں رقم وہاں سے لے لوں، سو وہاں لینے جا رہی ہوں۔''

امرتا کو ورشا کے لہجے سے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ جھوٹ بول رہی ہے، مگر کیوں؟ اس سوال کا وہ کوئی جواب تلاش نہ کر سکی۔ مگر یہ کہنا ضروری خیال کیا۔ ''ورشا! میں سمجھتی ہوں کہ اب تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ کشور یہاں آ تو گئے ہیں۔''

''نہیں امرتا!'' ورشا نے انکار میں سر ہلا دیا۔ ''کشور کے مجھ پر پہلے ہی بہت احسان ہیں۔ میں ان سے کافی روپے لے چکی ہوں۔''

''اگر کشور سے روپے لینا نہیں چاہتیں تو میرے پاس تین ہزار روپے ہیں، یہ لے لو۔'' امرتا نے پیشکش کی۔

''پاگل! میں خوب جانتی ہوں کہ تو کتنی مالدار ہے۔ اگر باپو نے پڑوسی سے انتظام

نہ کر دیا ہوتا تو میں تجھ سے روپے ضرور لے لیتی۔'' ورشا نے کہا۔

''مگر کشور کو تو آنے دے، اُن کی کار میں چلی جانا۔'' امرتا نے گویا مشورہ دیا۔

''نہیں۔'' ورشا نے انکار کر دیا۔ ''میں ایک پسماندہ علاقے میں رہتی ہوں۔ وہاں کار میں جاؤں گی تو لوگ نہ جانے کیا کیا سوچیں گے۔''

''اچھا تو جا، میں ماں کے پاس ہوں۔'' امرتا بولی۔

''لیکن ملاقات کا وقت ختم ہونے والا ہے، یہاں مریض کے ساتھ ایک ہی فرد رہ سکتا ہے۔ مجھے پوری رات رہنا ہے، تو کشور کے ساتھ چلی جانا۔'' ورشا کہنے لگی۔ ''اور ہاں...... ایک بات کا خیال رکھنا، میرا مسئلہ کشور کو نہ بتانا۔''

پھر ورشا، امرتا کو حیرت زدہ چھوڑ کر چلی گئی۔

چند منٹ بعد کشور آ گیا اور بولا۔ ''نہ جانے ورشا کہاں فون کرنے گئی ہے۔ میں نے تو ہر جگہ دیکھ لیا، کئی کیمسٹوں کی دکانوں پر بھی دیکھ کر آیا ہوں۔''

''وہ یہاں آئی تھی۔'' امرتا نے بتایا۔ ''اپنے باپو کو فون کرنے گئی تھی۔ اُنہوں نے فوراً بلایا ہے، وہیں گئی ہے۔''

''مگر کیوں؟...... میں بھی تو اُسے کار میں لے جا سکتا تھا۔'' کشور بولا۔

''میں نے کہا تھا اُس سے۔'' امرتا نے کہا۔ ''اس پر وہ بولی کہ میں جس علاقے میں رہتی ہوں وہاں کار سے اُتروں گی تو لوگ باتیں بنائیں گے۔''

کشور نے اظہار افسوس کیا۔ ''یہ وقت لوگوں کی پرواہ کرنے کا ہے یا ماں کی جان بچانے کا۔''

اتنے میں کچھ نرسیں ادھر آ گئیں۔ ایک نرس اُن سے مخاطب ہوئی۔ ''ملاقات کا وقت ختم ہو گیا، آپ لوگ باہر جائیے۔''

امرتا اور کشور باہر آ گئے۔ کشور اُلجھے ہوئے سے لہجے میں بولا۔ ''کہیں ورشا رقم کا بندوبست کرنے تو نہیں گئی؟''

''روپے تو میرے پاس بھی تھے، مگر وہ کہہ رہی تھی کہ باپو نے انتظام کر دیا۔'' امرتا نے جواب دیا۔

کشور کار کے پاس رُک کر کچھ سوچتا رہا، پھر بولا۔ ''مجھے کوئی گڑبڑ لگتی ہے۔''

''کیسی گڑبڑ؟'' امرتا نے سوال کیا۔

''تم ورشا کے سوتیلے باپ گوپی چند کو نہیں جانتیں۔'' کشور نے یہ کہتے ہوئے ٹھنڈا سانس بھرا۔ ''مجھے ورشا ہی نے اُس کے بارے میں بتایا تھا۔ کچھ لوگ انسان اور انسانیت کے نام پر بدنما داغ ہوتے ہیں۔ گوپی چند بھی اُنہی میں سے ہے۔ وہ انتہائی گھٹیا کردار کا آدمی ہے۔''

امرتا یہ سن کر چونک اُٹھی اور پھر کشور سے ''گھٹیا کردار'' کی وضاحت چاہی۔

''اس بارے میں کچھ نہ ہی پوچھو تو اچھا ہے۔'' کشور نے طویل سانس لیا۔ ''وہ...... وہ کمینہ ورشا کو بری راہ پر لگانا چاہتا ہے۔''

امرتا کے ذہن کو یہ سن کر جھٹکا سا لگا اور کچھ دیر وہ گم صم سی کھڑی رہی۔ ماں شدید بیمار، سوتیلا باپ بدکردار! امرتا نے سوچا، ورشا تو دوہرے عذاب میں مبتلا ہے۔

''میرا خیال ہے امرتا کہ ہمیں یہاں رُک کر ورشا کی واپسی کا انتظار......''

''نہیں۔'' امرتا چونک کر بول اُٹھی۔ ''آپ رُک جائیے، مجھے تو دیر ہو رہی ہے۔ زیادہ دیر ہو گئی تو ڈیڈی جان سے مار دیں گے۔''

کشور نے کار میں بیٹھ کر دوسری طرف کا دروازہ کھول دیا۔ امرتا اندر بیٹھ گئی۔ کچھ ہی دیر میں کار سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ امرتا کے چہرے پر گہری اُداسی تھی۔ وہ یہ سوچ رہی تھی کہ آخر ورشا نے کشور سے مدد کیوں نہیں لی؟ جب کہ اُس روز دوا کے لئے ہزار روپے لے کر گئی تھی۔

✿......✿
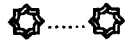
بس سے اُتر کر ورشا تیز قدموں سے اپنی کھولی تک پہنچی۔ کھولی کا دروازہ کھلا تھا، وہ سیدھی اندر چلی گئی۔ گٹھیلے جسم والا گوپی چند چالیس برس کے قریب ہو گا۔ اُس کے جسم پر خاکی پتلون تھی۔ گوپی چند کی آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے دیکھ کر ہی ورشا سمجھ گئی کہ اُس نے شام ہوتے ہی مے نوشی شروع کر دی ہے۔ بوتل اور گلاس بھی سامنے بچھی چٹائی پر رکھے تھے، ساتھ ہی ایک جگ میں پانی بھرا رکھا تھا۔

گوپی چند نے بوتل اُٹھا کر ورشا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ''مر گئی یا زندہ ہے؟''

اس پر ورشا تڑپ اُٹھی اور بولی۔ ''ماں کے بارے میں ایسا تو نہ کہیں۔''

”میں تمہاری ماں اور تمہیں، دونوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔“ گوپی چند نے جگ اُٹھا کر شراب میں پانی ملایا۔ ”جب کہیں سے تمہارا کام نہیں بنا تو میں یاد آ گیا...... وہ تمہارا کار والا بابو کیا ہوا؟...... کیا اُس نے روپے نہیں دیئے؟...... پہلے تو بڑے عیش کرا رہا تھا۔“

”آپ مجھ پر الزام...... الزام لگا رہے ہیں۔“ ورشا کی آواز بھرا گئی۔

گوپی چند طنزیہ انداز میں ہنس دیا، پھر گلاس اُٹھا کر ایک گھونٹ لیا اور کہنے لگا۔

”زیادہ ستی ساوتری بننے کی ضرورت نہیں میرے سامنے۔ وہ کار والا بابو تو مجھے بھی منہ بند رکھنے کی قیمت ادا کر چکا ہے۔ کچھ اور بھی بتاؤں کہ وہ کتنی بار تجھے کس کس ہوٹل میں لے گیا ہے!...... کشور ہی نام ہے نا اُس کا؟“

ورشا کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ اُسے کشور سے یہ اُمید نہیں تھی کہ وہ اُس کی غربت اور مجبوری سے فائدہ اُٹھانے کے بعد رُسوا بھی کر دے گا۔

”اچھا چھوڑ اس کار والے کا ذکر اور سن کہ صرف تیری خاطر مجھے فیکٹری سے چوری کرنی پڑی ہے۔“ گوپی چند بتانے لگا۔ ”بیس ہزار روپے لے کر آیا ہوں۔ اگر تو ہڈیوں کے اُس ڈھانچے کو بچانا چاہتی ہے جسے اپنی ماں کہتی ہے تو پھر امیر لڑکوں کے ساتھ بڑے بڑے ہوٹلوں میں جانا چھوڑ دے۔ کبھی پکڑی گئی تو بدنامی ہو گی۔ پھر کوئی تجھ سے شادی نہیں کرے گا، کالج والے تجھے الگ نکال باہر کریں گے...... گھر کی عزت گھر ہی میں رہے تو اچھا ہوتا ہے...... سمجھ رہی ہے نا میری بات۔“

جواب میں ورشا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

”تو اسی طرح روتی دھوتی رہی تو تیری ماں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گی۔ دیکھ اگر تیرے دامن پر پہلے ہی داغ نہ لگ چکا ہوتا تو میں نے کل جو تجھ سے کہا تھا ہرگز نہ کہتا۔ تو مجھے بہت گرا ہوا سمجھی ہو گی اُس وقت۔ مگر اپنے گریبان میں بھی تو جھانک کر تو نے دیکھا ہوتا...... تو بھی تو گر چکی ہے۔“

”لیکن...... لیکن اتنی نہیں گری کہ......“ ورشا کا گلا رندھ گیا اور وہ اپنا جملہ پورا نہ کر سکی۔

”تو پھر صبر کر لے اپنی ماں کو۔“ گوپی چند نے یہ کہہ کر سامنے رکھا ہوا گلاس اٹھایا

اور اسے خالی کر دیا۔ پھر ہنس کر کہنے لگا۔ ”رام نام ستیہ ہے...... ستیہ بولو......“

”نہیں!“ ورشا چیخ اُٹھی۔ ”میری ماں کی ارتھی نہیں اٹھے گی۔“

”تو پھر حالات سے صلح کر لے۔ میں تجھے وہاں تک پڑھواؤں گا جہاں تک تو چاہے گی۔ تجھے اچھے لباس اور گھومنے کے لئے کار والے کو تلاش نہیں کرنا پڑے گا۔ بول، نکال کر دوں بیس ہزار روپے؟...... جلدی فیصلہ کر...... اپنی ماں کی زندگی کو خطرے میں نہ ڈال۔“ گوپی چند نے کہا۔

ورشا کی آنکھوں میں اپنی ماں کا چہرہ گھوم گیا اور پھر بے اختیار اُس کے منہ سے نکلا۔ ”دے...... دے دو روپے مجھے۔“

”یہ ہوئی نا بات!“ گوپی چند کا چہرہ کھل اُٹھا جیسے اُس نے کوئی جنگ جیت لی ہو۔ ”رقم چوری نہ ہو جائے اس ڈر سے میں نے رام دیال جی کے پاس رکھوائی تھی۔ ابھی اُن سے لے کر آیا۔ تو اتنے میں میرے لئے قیمہ گرم کر دے، میں نے ابھی کھانا نہیں کھایا ہے۔“ گوپی چند نے یہ کہہ کر شرٹ پہنی اور پھر کھولی سے نکل گیا۔

ورشا کو معلوم تھا کہ رام دیال، گوپی چند کی فیکٹری ہی میں کسی اچھی پوسٹ پر ہے۔ اُس کا کوارٹر وہاں سے زیادہ دُور نہیں تھا۔

گوپی چند چلا گیا تو ورشا نے مٹی کے تیل کا اسٹوو جلا دیا اور اسٹوو پر فرائنگ پین رکھ کر اُس میں قیمہ ڈال دیا۔ پھر اُس نے اُٹھ کر کھولی کے کھلے ہوئے دروازے کو بھیڑ دیا۔ دروازہ بھیڑ کر وہ لکڑی کی الماری کے پاس آئی۔ الماری کھول کر ورشا نے ایک ڈبیا نکالی، ڈبیا کے اندر مری ہوئی چھپکلی تھی۔ ورشا نے دو روز پہلے ہی یہ بندوبست کر لیا تھا۔ اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ گوپی چند کسی بھی وقت حد سے تجاوز کر سکتا ہے۔ اُس نے چھپکلی کو بھی قیمے میں ڈال دیا اور پھر اُسے چمچے سے کچل کچل کر قیمے میں ملانے لگی۔ گوپی چند اُن ہندوؤں میں سے تھا جنہیں گوشت کھانے پر اعتراض نہیں ہوتا بلکہ شوق سے کھاتے ہیں۔

ورشا اپنے کام سے فارغ ہوئی ہی تھی کہ گوپی چند رقم لے کر آ گیا۔ ایک رومال میں بندھے ہوئے نوٹ اُس نے ورشا کی طرف بڑھا دیئے۔

”دس دس ہزار کی دو گڈیاں ہیں، بالکل نئی۔“ گوپی چند نے کہا۔

ورشا نے رقم لے لی۔ چٹائی پر ایک پلیٹ میں قیمہ اور دوسری پلیٹ میں روٹیاں رکھی تھیں۔ قریب ہی شراب کی بوتل، گلاس اور پانی کا جگ تھا۔ ورشا نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ ''کھانا لگا دیا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ کھولی کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''رات کو ہسپتال سے ذرا جلدی آ جانا!'' گوپی چند نے ہانک لگائی۔

ورشا کوئی جواب دیئے بغیر کھولی سے نکل گئی اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی بس اسٹاپ کی طرف بڑھنے لگی۔

۞......۞
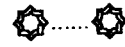
رمیش جیسے ہی بس اسٹاپ پر اُتر کر اپنی بلڈنگ کے گیٹ کی طرف بڑھا، پیچھے سے ایک آواز آئی۔ ''ہیلو سر!''

رمیش نے مڑ کر دیکھا۔ اجے تیز قدموں سے اُس کی طرف آ رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں دو ڈبے تھے اور چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔

''مجھے یقین تھا نوجوان کہ تمہیں اپنی منزل ضرور ملے گی۔'' رمیش نے اجے سے کہا۔

''یس سر! میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ کامیابی ملنے پر سب سے پہلے آپ کو مٹھائی کھلاؤں گا۔ اس شہر میں آپ ہی نے تو میرا حوصلہ بڑھایا تھا۔'' یہ کہہ کر اجے نے ایک ڈبہ کھولا اور پھر مٹھائی کا ایک ٹکڑا خود اپنے ہاتھ سے رمیش کے منہ میں رکھ دیا۔ رمیش نے مٹھائی کھاتے ہوئے اجے کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا تو وہ کہنے لگا۔

''سر! آپ بہت اچھے انسان ہیں، بڑے شفیق اور ہمدرد۔ اس بلڈنگ کے دوسرے لوگوں سے الگ تھلگ!...... اور یہ ڈبہ آپ کے گھر والوں کے لئے ہے۔''

''تو اوپر آ کر ان لوگوں کو خود ہی دینا۔ وہاں تمہاری آنٹی ہیں، ایک نالائق چھوٹا بھائی ہے، ایک بہن ہے۔''

''سر! میں آپ کے ہاں پھر کسی وقت آ جاؤں گا۔'' اجے بولا۔ ''اس وقت آپ میرے ساتھ فلیٹ تک چلئے۔''

''اچھا چلو!'' رمیش اُس کے ساتھ آگے بڑھا۔ پھر پوچھا۔ ''تنخواہ کتنی لگی ہے؟''

''بارہ ہزار روپے ماہوار، ڈبل اوور ٹائم، ہر برس پانچ فیصد انکریمنٹ۔'' اجے نے

بتایا۔

''نائس......! واقعی ٹیکنیکل ایجوکیشن بڑے کام کی چیز ہے۔'' رمیش نے کہا۔ ''تمہیں میں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں کیونکہ اس شہر میں تم رہنے کا بندوبست تو کہیں نہ کہیں کرو گے ہی!...... اچھا ہے کہ مستقل طور پر تم جانکی داس ہی کے ساتھ رہو۔ تم نے یہ اندازہ تو کر ہی لیا ہوگا کہ اُن کی معاشی حالت کس قدر خراب ہے، تمہیں ٹھکانا مل جائے گا اور اُن لوگوں کی مدد ہو جائے گی۔ یہ میرا محض مشورہ ہے، ضروری نہیں کہ تم اسے قبول ہی کر لو۔''

اجے ہنس کر کہنے لگا۔ ''سر! آپ تو دل کے بھید بھی جان لیتے ہیں۔ آنٹی اور ششی کا بھی یہی خیال ہے۔ میں تو کھانے کا بندوبست بھی اُن کے ساتھ کرنے کو تیار ہوں، لیکن ہم تینوں میں سے کسی کی بھی ہمت نہیں ہو رہی کہ وہ یہ بات جانکی انکل سے کرے۔''

''ہوں!'' رمیش کچھ سوچنے لگا۔

''لکشمی آنٹی کا کہنا ہے کہ اس بلڈنگ میں صرف آپ ہیں جن کی بات جانکی انکل نہیں ٹالتے۔'' اجے بولا۔

''اگر ایسی بات ہے تو میں بخوشی اُن سے ملنے اور بات کرنے کو تیار ہوں۔ لکشمی بہن کو گھر گھر سے دال، چائے کی پتی، نمک اور چینی مانگتے دیکھتا ہوں تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے۔'' رمیش نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ بات کچھ بن ہی جائے گی۔''

وہ دونوں فلیٹ تک پہنچ گئے۔ ششی باہر ہی بے چین کھڑی تھی۔

''کیا بات ہے بیٹی، خیریت تو ہے؟'' رمیش نے ششی کو مخاطب کیا۔

''ابھی تک تو خیریت ہے۔'' ششی نے جواب دیا۔ ''بابو جی نے دارو جو نہیں پی۔ انکل! اجے نے آپ کو کچھ بتایا؟''

''ہاں، اسی لئے تو آیا ہوں۔'' رمیش نے تصدیق کی۔

''انکل پلیز! کسی طرح بابو جی کو راضی کر لیجئے۔'' ششی ملتجی سی آواز میں کہنے لگی۔ ''جب سے اجے آئے ہیں، بابو جی شراب پی کر بھی زیادہ نہیں بہکتے۔''

''اچھا چلو، چل کر بات کئے لیتے ہیں۔'' رمیش نے دلاسہ دیا۔

"تو پھر میں آپ کے لئے چائے بناتی ہوں۔" ششی خوش نظر آنے لگی اور واپسی کے لئے مڑی۔

"ششی!" اجے نے آواز دی۔ "یہ مٹھائی میری نوکری ملنے کی خوشی میں ہے۔"

"بابو جی کو دینا، وہ خوش ہوں گے۔" یہ کہہ کر ششی اندر چلی گئی۔

اگلے ہی لمحے لکشمی دروازے پر نظر آئی۔ وہ رمیش سے بولی۔ "جلدی آ جایئے بھائی صاحب! ابھی اُنہوں نے شراب پینی شروع نہیں کی ہے۔"

رمیش اور اجے اندر داخل ہوئے۔ جانکی داس ڈرائنگ رُوم میں بیٹھا تھا۔ کرتہ، دھوتی پہنے ہوئے تھا اور آنکھوں پر عینک تھی۔ اُس کا چہرہ اُترا اُترا سا تھا جیسے بیمار ہو۔ اُسے دیکھتے ہی رمیش نے کہا۔ "ارے جانکی داس جی! آپ نے اپنا یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟"

جانکی داس نے رمیش کی آواز سنی تو چونک کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ "آپ؟...... کیسے راستہ بھول گئے؟...... آیئے بیٹھئے!"

"آپ تو میرے گھر آتے نہیں، میں نے سوچا اپنی بھابھی اور بھتیجی کے ہاتھ کی چائے ہی پی آؤں۔" رمیش نے مسکرا کر کہا۔

"ارے لکشمی!" جانکی داس نے آواز لگائی۔

"بن رہی ہے چائے، کہہ آیا ہوں۔" رمیش نے بتایا۔

"لیجئے، آپ مٹھائی کھایئے انکل!" اجے نے مٹھائی کا ڈبہ کھولا۔

"اچھا تو نوکری مل گئی تمہیں۔" جانکی داس کے لہجے سے خوشی کا اظہار ہونے لگا۔

"جی انکل!" اجے نے جھک کر اُس کے پاؤں چھوئے اور ادب سے کھڑا ہو گیا۔

"اپنے بابو جی کو اس کی اطلاع دی؟" جانکی داس نے پوچھا۔

"جی، تار دے کر آیا ہوں۔ کل سے جوائن کر رہا ہوں۔" اجے نے بتایا۔

اُسی وقت رمیش موقع غنیمت جان کر بول اُٹھا۔ "بے چارہ پریشان ہے کہ بمبئی میں رہنے کا بڑا مسئلہ ہے۔ میں نے اس کا مسئلہ حل کر دیا۔ یہ میرے فلیٹ میں رہ لے گا، پے انگ گیسٹ بن کر!...... کھانا بھی ہمارے ساتھ گھر ہی میں کھا لیا کرے گا، تین ہزار روپے مہینہ دے گا۔"

جانکی داس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اُس نے کہا۔ "رمیش بابو! سیدھی بات کیوں نہیں کرتے۔ آپ کی اپنے گھر میں بھابھی اور بیٹے سے نہیں بنتی تو یہ بے چارہ وہاں کیسے رہے گا؟ اس سے کہہ دیجئے فولڈنگ پلنگ لے آئے۔ سامان کہیں بھی رکھ لے گا، پورا گھر ہی اس کا ہے۔ رات کو پیسیج میں پلنگ ڈال کر سو جایا کرے گا۔"

"منظور ہے انکل!" اجے جلدی سے بول اٹھا۔

"اتنی ذرا سی بات کے لئے میری ایک پیالی چائے کا نقصان کرا دیا۔" جانکی داس نے ہنس کر کہا۔

"میں آنٹی کو مٹھائی کھلا کر آتا ہوں۔" اجے بولا۔ وہ ڈرائنگ رُوم سے پیسیج کی طرف آیا تو ششی کچن کی طرف آ رہی تھی۔ وہ ٹھٹک کر رُک گئی۔ اجے نے اِدھر اُدھر دیکھا، پھر مٹھائی کا ایک ٹکڑا ششی کو کھلا دیا۔ وہ شرما کر باتھ رُوم میں گھس گئی۔ اجے کچن کی طرف بڑھ گیا۔

✡......✡
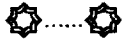
انوپ اپنی احمقانہ روش کے مطابق دُور بین آنکھوں سے لگائے بالکنی میں کھڑا تھا۔ اُس کی توجہ بلڈنگ کے گیٹ پر تھی۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔ سڑک پر ٹریفک حسبِ معمول رواں دواں تھا۔ اچانک ایک طرف سڑک کے کنارے ایک کار رُکتی نظر آئی۔

"اتنی قیمتی کار! ضرور کوئی اسمگلر ہے۔ انڈر ورلڈ سے تعلق ہو گا۔" انوپ بڑبڑانے لگا۔ "مگر وہ مجھ سے بچ کر کہاں جائے گا۔" پھر کار میں سے امرتا اُتری تو انوپ بولا۔ "لڑکی بھی ساتھ ہے! یہ اس کی ساتھی ہو گی۔ مجھے تو یہ کوئی بڑی سازش لگتی ہے۔"

پھر کار سے ایک بڑا سا پیکٹ نکلتا دکھائی دیا جسے امرتا نے سنبھالا اور جلدی جلدی اِدھر اُدھر دیکھ کر کار والے سے کچھ کہا اور کار واپس چلی گئی۔ امرتا آگے بڑھی۔ جیسے ہی وہ روشنی میں آئی، انوپ اُچھل پڑا اور اپنی ماں سلوچنا کو آوازیں دینے لگا۔

"کیا آفت آ گئی؟...... کیا تجھے پھر کوئی مجرم نظر آ گیا؟" سلوچنا کی آواز آئی۔

"مجرم نہیں ماں!...... یہ تو اپنی دیدی کی وہ جڑواں بہن ہے جو کنبھ کے میلے میں بچھڑ گئی تھی۔"

"کیا بکے چلا جا رہا ہے؟"

"بائی گاڈ ماں!...... وہ بالکل امرتا دیدی جیسی ہے۔" انوپ نے جواب دیا۔

سلوچنا لپک کر بالکنی میں آئی اور نیچے دیکھ کر چونک اُٹھی۔ "ہے رام! یہ تو امرتا ہے، لیکن یہ اتنا بڑا بنڈل کہاں سے لے آئی؟"

"مجھے معلوم ہے مگر بتاؤں گا نہیں کہ اس بنڈل میں ٹائم بم ہے۔" انوپ کہنے لگا۔

سلوچنا نے انوپ کی کمر پر ہاتھ مارا۔ "چپ کم بخت! کیوں شور مچا رہا ہے۔ اچھا ہوا کہ یہ تیرے ڈیڈی کے گھر آنے سے پہلے ہی آ گئی۔ ورنہ غضب ہو جاتا۔" اس کے بعد سلوچنا تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتے بڑھتے رُک کر بولی۔ "یہیں کھڑا رہ۔ تیرے ڈیڈی نظر آئیں تو آواز لگا دینا۔"

سلوچنا نے دروازہ کھولا اور امرتا کے اندر آنے کا انتظار کرنے لگی۔ اُس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔

کچھ ہی دیر میں امرتا اوپر پہنچ گئی۔ اُس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" سلوچنا نے ہڑبڑا کر امرتا سے پوچھا۔

"وہ...... ماں...... کشور نے مجھے کپڑے، جوتے وغیرہ دلوائے ہیں۔" امرتا نے سچ بول دیا۔

"اتنے بہت سے کپڑے؟...... اور سامان!" سلوچنا حیرت سے بولی۔ پھر وہ امرتا کو کھینچ کر اندر لے گئی اور اُس سے پیکٹ لے کر بیڈ کے نیچے کھسکا دیا۔ سلوچنا نے امرتا کے بال مٹھی میں پکڑ کر پورا سر ہلا دیا اور دانت کچکچا کر کہنے لگی۔ "بتا وہ اتنی جلدی تجھ پر اس قدر مہربان کیسے ہو گیا؟ اور تو آج پھر پی کر آئی ہے۔"

امرتا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے کہا۔ "پہلے میری بات تو سن لو ماں، غصہ بعد میں کر لینا۔"

"جلدی بک!" سلوچنا کی آواز میں سختی تھی، مگر سر کے بال چھوڑ دیئے تھے۔

"ماں! تمہیں بتا تو چکی ہوں کہ وہ مجھ سے شادی کرے گا۔ اگر اُس کے من میں پاپ ہوتا تو میرا تھپڑ کھا کر چپ نہ رہتا۔" امرتا بتانے لگی۔ "وہ مجھے آزما رہا تھا۔ میں سمجھی کہ اُس کی نیت میں کھوٹ ہے۔ مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اُس کے تھپڑ جڑ

دیا۔" پھر امرتا نے پورا واقعہ بیان کر دیا۔

سلوچنا کو اصل بات جان کر تسلی ہوئی۔ اُس نے کہا۔ "اگر تیرے ڈیڈی نے دیکھ لیا تو تیری کھال ادھیڑ دیں گے۔ کتنے روپے خرچ ہوئے اُس کے؟"

"دس ہزار۔"

"دس ہزار!...... ہے بھگوان...... وہ اتنے پیسے والا ہے؟"

"ماں! وہ تمہارے تصور سے بھی زیادہ مالدار ہے۔" امرتا بولی اور پھر پانچ پانچ سو روپے کے چھ نوٹ اپنی ماں کو تھما کر کہا۔ "یہ موسی کے کرائے کے لئے ہیں۔"

"اری کمبخت! کیوں اتنا بوجھ چڑھا رہی ہے؟ اگر اُس نے شادی نہیں کی تو یہ قرض کیسے اتارے گی؟"

"ماں! مجھے اُس پر پورا بھروسہ ہے۔ وہ مجھ سے ضرور شادی کرے گا۔ اُس کا کہنا ہے کہ میں اُس کی تمام ملکیت میں سے آدھی کی مالک ہوں۔"

سلوچنا کے چہرے کا تناؤ دھیرے دھیرے چند لمحوں میں ختم ہو گیا۔ لالچ جو اُس کے مزاج کا حصہ تھا، غالب آ گیا اور وہ کہنے لگی۔ "بھگوان ہی نے کرپا (مہربانی) کی ہے ہمارے اوپر۔ دیدی کا کرایہ بھی ادا ہو جائے گا اور میں گھر میں راشن بھی بھروا لوں گی۔ تو ادھر ٹھہر، میں ابھی آئی۔" وہ لپک کر انوپ کے پاس گئی اور اُسے روپے دے کر بولی۔ "دوڑ کر دے آ اپنی موسی کو۔ مگر پچھلے گیٹ سے جانا...... جلدی!" اُس کی ہدایت پر انوپ جلدی سے باہر نکل گیا تو وہ کمرے میں واپس آ کر بولی۔ "میرا تو دم نکلا جا رہا تھا، اگر تیرے ڈیڈی گھر میں ہوتے تو کیا ہوتا۔ تجھے نہیں معلوم اُن کی نظریں کتنی تیز ہیں۔"

"میری سہیلی ورشا کی ماں کو ٹی بی ہے۔" امرتا نے کہا۔ "آج ہی وہ ہسپتال میں داخل ہوئی ہے۔ اُن کی حالت نازک ہے۔ میں ڈیڈی کے پوچھنے پر کہ اتنی دیر کہاں رہی، یہ کہہ دیتی کہ ورشا کے ساتھ ہسپتال گئی تھی۔ میں نے یہ بہانہ پہلے ہی سوچ لیا تھا۔"

"لیکن جو تو کپڑے وغیرہ لے کر آئی ہے، ان کے بارے میں اپنے ڈیڈی کو کیا بتائے گی؟" سلوچنا نے سوال کیا۔

"بتاتی ہوں ماں، تم ڈرتی کیوں ہو؟" امرتا نے اشتہار نکال کر سلوچنا کو انعامی اسکیم اور لکی ڈرا کوپن کے بارے میں بتایا۔ "اس پر دُکان کا پتہ بھی ہے۔ ڈیڈی وہاں جا کر اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ یہ ترکیب مجھے کشور ہی نے بتائی تھی۔"

"چل ٹھیک ہے، مگر ذرا خیال کر۔ مجھے تو یہ لڑکا بڑا خرچیلا اور شان والا لگتا ہے۔"

"ارے ماں، اُن کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں۔ کہہ رہے تھے جیسے ہی بہو بن کر تم گھر میں قدم رکھو گی ممی تجوریوں کی چابیاں تمہیں سونپ دیں گی۔" امرتا بولی۔

"بھگوان تیری زبان مبارک کرے۔ تو بڑے گھر کی بہو بنے، تیرا مستقبل روشن ہوگا تو ہم ماتا پتا کی روحوں کو بھی سکون ملے گا۔ مگر وہ شادی کب کرے گا؟"

"اب تو پڑھائی ختم ہونے کے بعد ہی شادی ہو سکے گی۔" امرتا نے اپنی ماں کے سوال کا جواب دیا۔

"میرے دل کو تو اُس وقت سکون ملے گا جب اُس سے تیری شادی ہو جائے گی۔" سلوچنا نے کہا۔ "اس سے پہلے دھڑکا ہی لگا رہے گا۔ میری ایک نصیحت اپنی بھلائی کی غرض سے گرہ میں باندھ لے کہ شادی سے پہلے اُسے ذرا سی بھی چھوٹ نہیں دینی۔"

"ماں! وہ مجھ سے سچا پیار کرتا ہے اور تالی دونوں ہاتھوں ہی سے بجتی ہے۔" امرتا نے یقین دہانی کرائی۔ "میں بچی نہیں، ہر بات اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ جو لڑکیاں پیار کا ناٹک کر کے حد سے آگے بڑھ جاتی ہیں، اُن کے ساتھ لڑکے بھی ویسا ہی سلوک کرتے ہیں۔"

"اچھا ایک بار اُسے کم از کم مجھ سے تو ملا دے۔ میں اُس سے خود ہی بات کر کے اندازہ لگا لوں گی کہ وہ تجھے کتنا چاہتا ہے۔"

"مگر کب اور کہاں؟" امرتا نے سوال کیا۔

"ارے اس منگل کو مندر میں لے آنا اُسے۔" سلوچنا نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے ماں! میں بات کر لوں گی۔"

"اب تو جلدی سے کپڑے بدل لے۔ تیرے ڈیڈی آتے ہی ہوں گے۔ پہلے والی ترکیب ہی ٹھیک رہے گی۔ تو سو جا۔ میں کہہ دوں گی تیرے سر میں درد ہے۔"

سلوچنا یہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔ بے وقوف انوپ گھر کا دروازہ کھلا چھوڑ گیا تھا اس لئے امرتا اور سلوچنا کو پتہ نہ چل سکا کہ رمیش آ چکا ہے اور اُس نے دونوں ماں بیٹی کی تھوڑی بہت باتیں سن لی ہیں۔ سلوچنا نے جیسے ہی رمیش کو دیکھا، اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ پھر سلوچنا نے تیزی سے پینترا بدلا کہ اگر رمیش نے باتیں سن نہ لی ہوتیں تو دھوکا کھا جاتا۔ سلوچنا پُر مسرت لہجے میں کہنے لگی۔ "ارے آ گئے تم؟" کوئی جواب دینے کی بجائے رمیش اُسے گھورتا ہی رہا تو وہ بوکھلا گئی۔ اسی بوکھلاہٹ میں اُس نے امرتا کو آواز دی۔ "امرتا! تیرے ڈیڈی آ گئے، انہیں دکھا دے اپنا انعام۔"

اپنی ماں کے آواز دے کر بلانے پر امرتا کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ وہ اپنی جگہ سے ہلی بھی نہیں۔ رمیش خود ہی کمرے میں داخل ہو گیا تو سلوچنا بھی اُس کے پیچھے لپکی۔ اُسے اب اپنی حماقت کا احساس ہو گیا تھا۔ رمیش نے امرتا کو دیکھا تو اُس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔

"امرتا! ڈر کیوں رہی ہے؟" سلوچنا نے بیٹی کی ڈھارس بندھائی۔ "باپ ہیں تیرے۔" پھر وہ رمیش سے مخاطب ہوئی۔ "میں اسے اتنی دیر سے سمجھا رہی ہوں کہ تیرے ڈیڈی کوئی ان پڑھ گنوار نہیں ہیں، مجھ سے زیادہ سمجھدار ہیں مگر یہ ڈر رہی ہے کہ تم اس کی بات کا اعتبار کرو گے بھی یا نہیں۔"

"کیا کیا ملا ہے؟" رمیش نے سنجیدہ اور پُرسکون آواز میں معلوم کیا۔

سلوچنا جلدی سے بولی۔ "خود ہی دیکھ لیں۔" پھر اُس نے امرتا سے کہا۔ "پہلے اشتہار دکھا اپنے ڈیڈی کو۔"

امرتا نے اشتہار رمیش کی طرف بڑھا دیا۔ رمیش نے اشتہار پڑھا۔ امرتا نے پیکٹ بیڈ کے نیچے سے نکال کر کپڑے، جوتے اور دوسری چیزیں دکھائیں۔ اس پر رمیش بولا۔ "اچھا تو یہ ہزاروں روپے کا سامان انعام میں ملا ہے۔ مگر وہ غیر ملکی صابن، ویشنگ کریم، اسپرے، سینٹ، شیمپو وغیرہ؟... یہ سارا سامان کب اور کہاں سے انعام میں ملا؟"

"یہ تم نے کہاں دیکھ لیا؟" سلوچنا جلدی سے بولی۔

"جوان بیٹی کا باپ سوتے میں بھی آنکھیں کھلی رکھتا ہے۔" رمیش کے چہرے پر

تناؤ کی کیفیت تھی۔

''یہ غیر ملکی سامان تو اس کی سہیلی ورشا نے اسے تحفے میں دیا ہے، وہ بہت بڑے باپ کی بیٹی ہے نا۔'' سلوچنا نے جھوٹ بول دیا۔

''جس کی ماں سرکاری ہسپتال کے جنرل وارڈ میں پڑی ہے اور ٹی بی کی آخری اسٹیج پر ہے۔'' رمیش کی آواز میں چبھن تھی۔

سلوچنا نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ رمیش کا زوردار تھپڑ اُس کے رُخسار پر پڑا۔ وہ ہڑبڑا کر پیچھے ہٹ گئی اور تلملا کر بولی۔ ''ہاں ہاں، اب یہی کمی رہ گئی ہے، مار ڈالو مجھے!...... بھوکا تو پہلے ہی مار رہے ہو۔''

امرتا کا چہرہ ایک دم زرد پڑ گیا۔

رمیش نے کھونٹی پر لٹکی ہوئی چھڑی اتاری اور دانت بھینچ کر سلوچنا سے کہا۔ ''کھال اُدھیڑ دُوں گا، آواز منہ سے نہ نکلے۔ ابھی تم میرے بندھن میں ہو اس لئے تمہیں مارنے کا پورا حق ہے مجھے۔''

سلوچنا کا رخسار سرخ ہو گیا تھا۔ رمیش کے تیور خطرناک نظر آ رہے تھے۔ سلوچنا بدحواس سی ہو کر اُسے دیکھ رہی تھی۔

رمیش نے امرتا کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''جو سوال کروں اُس کا بالکل صحیح جواب دینا۔ جوان بیٹی پر ہاتھ تو نہیں اٹھانا چاہئے، مگر مجبوری میں یہ بھی کر گزروں گا۔ بتاؤ جس کے کہنے پر تم شراب پینے پر بھی آمادہ ہو گئیں، کون ہے وہ لڑکا؟ سانس روکنے کی ضرورت نہیں، تمہاری آنکھوں میں پڑے سرخ ڈورے دیکھ کر بھی میں حقیقت تک پہنچ سکتا ہوں۔ بولو!...... جواب دو، جو سوال کیا گیا ہے!''

امرتا تھر تھر کانپنے لگی اور بڑی مشکل سے اُس نے ''کشور'' کہا۔

''ابھی وہی تمہیں اپنی کار میں چھوڑ کر گیا تھا؟'' رمیش نے دوسرا چبھتا ہوا سوال کیا۔ اس بار امرتا صرف اقرار میں سر ہلا سکی۔ رمیش نے چند لمحے توقف کے بعد پوچھا۔ ''کب سے چل رہا ہے یہ چکر؟''

''ارے وہ پیار کرتا ہے اس سے، شادی کرے گا۔'' سلوچنا خاموش نہ رہ سکی۔

رمیش نے چھڑی اُٹھائی اور کہا۔ ''اگر اب تو بیچ میں بولی تو تیری خیر نہیں۔''

سلوچنا کے ہونٹ ہل کر رہ گئے۔ رمیش، امرتا سے مخاطب ہوا۔ ''تیری ماں تجھے جو سبق پڑھا رہی تھی، سب میں نے سن لیا ہے۔ جسم کا کوئی زخم اگر سڑنے لگے تو اس سے پورے جسم میں زہر پھیلنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ بہتر اس لئے یہی ہوتا ہے کہ زخم والا حصہ کاٹ کر پھینک دیا جائے۔'' یہ کہتے ہی رمیش نے امرتا پر چھڑیاں برسانا شروع کر دیں۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے رمیش پر دیوانگی طاری ہو گئی ہے اور وہ امرتا کو زندہ نہیں چھوڑے گا......!
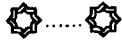
آج سے پہلے کبھی امرتا اپنے باپ کے ہاتھوں نہیں پٹی تھی۔ رمیش کو اُس نے ہمیشہ محبت کرنے والے ایسے باپ کے روپ میں دیکھا جو اپنی اولاد پر جان چھڑکتا ہو۔ اس کے باوجود امرتا، رمیش سے بہت ڈرتی تھی۔ کسی بات پر خفگی کا اظہار کرنا ہوتا تو رمیش آنکھیں دکھا دیتا اور امرتا سہم کے رہ جاتی۔ لیکن اس وقت معاملہ کچھ اور ہی تھا۔ وہ امرتا پر چھڑیاں برسائے چلا جا رہا تھا۔ مار کھاتے کھاتے امرتا بستر پر گر پڑی اور رونے لگی۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟ جوان بیٹی پر ہاتھ اٹھا رہے ہو۔" سلوچنا بول اُٹھی۔

"سڑاک" کی آواز کے ساتھ ہی ایک چھڑی سلوچنا کے بھی پڑی اور وہ بلبلا کے رہ گئی۔

رمیش نے چھڑی امرتا کی گردن پر رکھ دی اور سخت آواز میں بولا۔ "سن! آج تو تجھے صرف مارا ہے، اگلی بار گردن دبا دوں گا...... زندہ نہیں چھوڑوں گا تجھے!...... کل سے تیرا کالج جانا بند۔ اس فلیٹ سے باہر قدم بھی نہیں رکھے گی تو۔"

اُسی لمحے کسی نے دروازے پر دستک دی تو رمیش چھڑی ہاتھ سے رکھ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھولا تو سامنے اجے کھڑا تھا۔

"جلدی چلئے سر! جانکی انکل پر آج پھر دورہ پڑ گیا ہے۔" اجے نے گھبرائے ہوئے لہجے میں بتایا۔

"معلوم نہیں جانکی داس کو کیا ہو جاتا ہے۔ وہ کیوں لکشمی بہن پر ہاتھ اٹھا بیٹھتے ہیں۔" رمیش دھیرے سے بولا اور اجے کے ساتھ ہو گیا۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے یہ بھول ہی گیا تھا کہ ابھی کچھ دیر ہی پہلے اس پر بھی ایسا ہی "دورہ" پڑا ہوا تھا۔

رمیش کے باہر جاتے ہی سلوچنا نے لپک کر دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ امرتا کے

پاس آئی تو امرتا اُس سے لپٹ کر رونے لگی۔ سلوچنا کا دل بھی بھر آیا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ خود پر قابو پاتے ہوئے وہ امرتا سے مخاطب ہوئی۔

"کیا بتاؤں بیٹی، تیرے ڈیڈی کو گھر سے باہر کی دنیا کا زیادہ علم ہے۔ ان کی جگہ کوئی بھی باپ ہوتا تو یہی کرتا۔ انہیں یقین دلانے کے لئے کیا، کیا جائے؟ اُنہیں یہ یقین ہونا چاہئے کہ کشور کی نیت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے...... اور بیٹی، یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ سچ کہہ رہے ہوں۔ ممکن ہے کشور اچھا لڑکا ثابت نہ ہو۔"

"ماں! میں کیسے یقین دلاؤں کہ کشور بھروسے کے قابل ہے۔ اُس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔" امرتا کی آواز آنسوؤں میں بھیگی ہوئی تھی۔

"یہ یقین تو مجھے اُس وقت آئے گا جب ایک بار خود کشور سے مل لوں گی۔" سلوچنا نے ٹھنڈا سانس بھرا، پھر امرتا کو تسلی دینے لگی۔ "تو گھبرا نہیں، ان کا غصہ جلد ٹھنڈا ہو جائے گا۔ تجھے تو معلوم ہے کہ خراب معاشی حالات آدمی کو کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔"

امرتا چپ چاپ سسکتی رہی۔

"تو کچھ بھی کہے بیٹی، مگر حقیقت یہی ہے کہ آج کل کے دولت مند نوجوانوں پر کم ہی بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔"

اپنی ماں کی بات کے جواب میں امرتا یہ پوچھنے والی تھی کہ کیا دولت مند ہونا جرم ہے؟ مگر وہ خاموش ہی رہی۔

✡......✡

رمیش باتھ رُوم سے نکلا تو اُس کی نظر امرتا پر پڑی۔ امرتا کے جسم پر نیا سوٹ تھا اور پیروں میں نئے جوتے، ہاتھوں میں کتابیں تھیں۔

"کہاں جا رہی ہو؟" رمیش نے سخت آواز میں امرتا سے سوال کیا۔

امرتا کا چہرہ سفید پڑ گیا اور ہونٹ کانپ کے رہ گئے۔

اسی وقت سلوچنا ناشتے کی ٹرے ہاتھوں میں اٹھائے کچن سے باہر آئی اور رمیش سے بولی۔ "کالج جا رہی ہے، اور کہاں جائے گی۔"

"میں نے رات کو کیا کہا تھا!" رمیش کا لہجہ سخت ہی رہا۔

"کل رات تم بہت غصے میں تھے۔" سلوچنا نے کہا۔ "اتنی سی بات پر کیا اس کی

پڑھاؤ پر پانی پھروا دو گے؟''

''میں کہہ چکا ہوں یہ باہر نہیں جائے گی۔''

امرتا پلٹ کر اندر جانے لگی۔ سلوچنا نے امرتا کی طرف دیکھا، پھر رمیش سے کہنے لگی۔ ''ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر ٹھنڈے دل سے سوچو کہ امرتا کو پڑھنے کا کتنا شوق ہے۔ تمہارا بیٹا تو اس معاملے میں نالائق نکلا، اگر بیٹی یہ کام کر رہی ہے تو اسے کرنے دو۔ پوری رات روتی رہی ہے۔ تم نے کبھی اُس پر ہاتھ بھی تو نہیں اٹھایا۔ اس کا بھی اُسے ملال ہے۔ میں نے ویسے بھی اُس سے کہہ دیا تھا کہ تیرے ڈیڈی کا غصہ وقتی ہوتا ہے، صبح ٹھنڈا ہو جائے گا، تو کل کالج چلی جانا۔''

''مگر میں نہیں چاہتا کہ اب وہ کالج جائے۔'' رمیش اپنی ضد پر اڑا رہا۔

''تمہارا غصہ درست ہے، مگر باہر والے کو چھوڑو، اپنی لڑکی پر تو بھروسہ کرو۔ تم سے اتنی مار کھا کر بھی اُس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ کیا ایسی فرمانبردار لڑکی کوئی غلط قدم اٹھا سکتی ہے؟'' سلوچنا نے دلیل دی۔

''تم میری بات سمجھ ہی نہیں رہیں سلوچنا!'' رمیش بولا۔

''چلو چلو ناشتہ کرو، غصہ تھوک دو۔ وہ لڑکا برا نہیں ہے۔ ایک بار تم اُس سے مل لو گے تو اُسے پسند کر لو گے۔'' سلوچنا یہ کہہ کر ٹرے اُٹھائے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ اس کے پیچھے رمیش بھی اندر چلا آیا۔ رمیش اندر آ کر تو بیٹھ گیا مگر اس کے چہرے پر شدید تناؤ تھا۔ سلوچنا نے اُسے غور سے دیکھ کر کہا۔ ''جوان اولاد پر اتنی سختی اچھی نہیں ہوتی۔ میں اُس کی ماں ہوں۔ کیا میں اُس کا برا چاہوں گی؟''

''سلوچنا! آج کل کے یہ امیرزادے یقینی طور پر ناقابل اعتبار ہیں۔'' رمیش اپنی بیوی کو سمجھانے لگا۔ ''یہ دولت مندوں کے بیٹے غریب گھروں کی لڑکیوں کو اپنے سنہرے جال میں پھانس کے ان کی زندگی تباہ کر دیتے ہیں۔ یقین کرو کہ یہ امیروں کے لاڈلے بڑے سنگ دل، بڑے ستمگر ہوتے ہیں۔''

''چلو مان لیا، مت کرو بھروسہ ان ستم گروں پر، مگر اپنی بیٹی کی ماں پر تو اعتماد کرو۔ میں اُس کی برائی بھلائی کا خیال رکھوں گی۔'' سلوچنا بولی۔ ''بس تم میری یہ بات مان لو! اُس کی پڑھائی بیچ میں ادھوری نہ چھڑواؤ۔ بھگوان کے لئے اُس کا مستقبل داؤ پر نہ

لگاؤ۔''

رمیش کو غصہ آ گیا اور اُس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے، جو تمہارے جی میں آئے کرو۔ مگر یاد رکھنا ہر چیز کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔''

''تو اُسے کالج بھیج دُوں؟'' سلوچنا نے جلدی سے پوچھا۔

''کہہ تو دیا، جو جی چاہے کرو۔''

سلوچنا تیزی کے ساتھ اُٹھی اور باہر نکل گئی۔ رمیش نے ناشتہ نہیں کیا، اپنا بیگ اٹھایا اور باہر نکل گیا۔

امرتا اپنی ماں کے ہمراہ کمرے سے نکلی تو کہنے لگی۔ ''ماں! ڈیڈی ناشتہ کئے بغیر گئے ہیں، اُنہیں روک لو۔''

''اُنہیں روکنے کی کوشش فضول ثابت ہو گی بیٹی۔'' سلوچنا نے کہا۔ ''جب تک ان کا غصہ نہیں اترے گا اس وقت تک وہ کسی کی بات نہیں مانیں گے۔''

''تو پھر میں کالج نہیں جاؤں گی۔'' امرتا بولی۔

''ٹھیک ہے، تیری مرضی۔'' سلوچنا نے طویل سانس لیا۔ ''فیصلہ بھی تجھ ہی کو کرنا ہے۔ اگر تجھے کشور پر بھروسہ ہے تو پھر کالج چلی جا کیونکہ وہ تجھ سے ملے گا ضرور۔ اگر تجھے بھروسہ نہیں ہے تو مت جا۔ میں تجھے نہ تو جانے کو کہہ رہی ہوں، نہ روک رہی ہوں۔''

امرتا کچھ دیر سوچتی رہی۔ اور پھر آہستہ آہستہ اپنے فلیٹ سے باہر نکل آئی۔

✡......✡
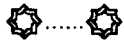
رمیش نیچے آیا تو اُس کے چہرے پر کرب تھا اور پیشانی پر سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ خود کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کی چشم تصور میں بار بار دیویانی کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ بلڈنگ کے کمپاؤنڈ سے نکل کر اُس نے ایک پی سی او سے سن اینڈ سینڈ کا نمبر ملایا۔ نمبر مل گیا تو اُس نے ہوٹل کی آپریٹر سے کہا۔ ''کمرہ نمبر آٹھ سو بارہ ملا دیں۔'' یہ کمرہ نمبر اُسے دیویانی نے بتایا تھا۔

کچھ دیر میں دوسری جانب سے بھرائی ہوئی سی آواز سنائی دی۔ ''ہیلو!'' یہ آواز دیویانی ہی کی تھی۔

رمیش نے طویل عرصے تک مے نوشی کی تھی۔ اُس نے اسی لئے دیویانی کی آواز سے اندازہ لگا لیا کہ وہ نشے میں دُھت ہے۔ دیویانی کی شراب نوشی کے بارے میں سوچتے ہوئے رمیش کو امرتا یاد آ گئی۔ اُسے بھی تو رمیش نے پٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ سوچنے لگا، امرتا معصوم ہے۔ اگر اُسے رہنمائی نہ ملی تو اس کی زندگی برباد ہو سکتی ہے۔

''ہیلو!......کون ہے بھئی؟'' دیویانی کی آواز پھر آئی۔

رمیش نے رابطہ منقطع کر دیا۔ اُسی وقت رمیش کی نگاہ اجے اور ششی پر پڑی۔ وہ دونوں ہنستے مسکراتے باتیں کرتے بلڈنگ کی طرف آ رہے تھے۔

اجے نے رمیش کو دیکھا تو قریب آ کر بولا۔ ''ہیلو سر!'' اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''ہیلو ینگ مین!'' جواباً رمیش بھی مسکرا دیا۔

''سر! کل رات آپ کا آنا بڑا مبارک ثابت ہوا۔'' اجے کہنے لگا۔ ''جانکی انکل بہت روئے تھے۔ اور انہوں نے لکشمی آنٹی سے معافی بھی مانگی تھی۔''

''ہاں، شراب کا نشہ اچھا نہیں ہوتا۔ دراصل جانکی داس نشے ہی میں خود پر قابو نہیں رکھ پاتے۔''

''سر! آج سے ششی کو کالج چھوڑنا میری ذمہ داری ہے۔'' اجے نے بتایا۔

''بھگوان تم دونوں کو سکھی رکھے۔'' رمیش نے دُعا دی تو ششی نے شرما کر سر جھکا لیا۔

✿......✿
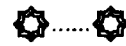
کار جوہو کے پارکنگ میں کھڑی تھی۔ امرتا، کشور کے سامنے سسکیاں بھر رہی تھی۔ کشور اُس کو تسلی دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''تمہارے ڈیڈی مجھے بڑے ظالم آدمی معلوم ہوتے ہیں۔''

''کیا کہا تم نے؟'' امرتا ایک دم جھٹکے سے بولی۔ ''تم میرے ڈیڈی کو ظالم کہہ رہے ہو۔''

''اُنہوں نے تمہاری اس قدر پٹائی کی ہے، اس پر بھی تم انہی کی......''

''ڈیڈی نے میری بھلائی کی خاطر ہی مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔'' امرتا نے کشور کی

بات کاٹ کر کہا۔ ''میں نے تمہیں ساری باتیں اس لئے تو نہیں بتائیں کہ تم میرے ڈیڈی کو ظالم کہنے لگو۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تم اپنے پاپا کی عزت بھی نہیں کرتے ہو گے۔''

''یہ ہوئی نا بات!'' کشور دھیرے سے ہنس کر بولا۔ ''جب تم اتنی اچھی بیٹی ہو تو بیوی کتنی اچھی ثابت ہو گی۔''

''بیوی تو تبھی بنوں گی جب تمہارے ساتھ میرے پھیرے ہوں گے۔'' امرتا بولی۔ ''مگر تمہارا کیا بھروسہ کہ تم مجھے اپنی بیوی کی حیثیت دو نہ دو۔ میں اپنے ڈیڈی کے تجربے کو چیلنج نہیں کر سکتی۔ کیا پتہ تم سچ مچ میرے ساتھ صرف پیار کا ناٹک رچا رہے ہو۔''

اس پر کشور زور سے ہنس پڑا، پھر بولا۔ ''نائس...... ویری نائس۔ بولو تمہیں میرے پیار کا کیا ثبوت چاہئے؟''

''ثبوت مجھے نہیں میرے ڈیڈی کو چاہئے۔'' امرتا نے جواب دیا۔

''تو تمہی بتاؤ کیا ثبوت دوں؟''

''اپنے گھر والوں سے کہو کہ وہ ہاں کر دیں۔ ماں سے کہہ کر میں اپنے ڈیڈی کو تمہارے گھر بھیج دوں گی۔ ڈیڈی تمہارے گھر والوں سے بات کر کے مطمئن ہو جائیں گے۔''

''امرتا! تم سمجھتی کیوں نہیں۔ جب تک خود مجھے اطمینان نہ ہو جائے کہ میری ماں کے معیار پر پوری اُتر سکتی ہو، میں تمہیں اُن سے کس طرح ملوا سکتا ہوں۔ اور جب تک میں تمہیں اُن سے نہ ملوا دوں اُس وقت تک بات پکی نہیں ہو سکتی۔'' کشور نے کہا۔

''تو پھر سمجھ لو، کل سے میرا کالج آنا بند۔''

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ اب تو میں تمہارے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتا۔ ویسے بھی ہماری شادی تو پڑھائی پوری کرنے کے بعد ہی ہو گی۔''

''لیکن منگنی تو ہو سکتی ہے۔'' امرتا بولی۔

''منگنی کے لئے بھی یہی شرط ہے کہ تم ماں کی پسند پر پوری اُترو۔'' کشور کہنے لگا۔

''تو پھر ٹھیک ہے، کل سے میں کالج نہیں آؤں گی۔ تم کسی اور لڑکی کو اپنی ماں کی پسند پر پوری اتار لینا۔''

''تم تو بات بات پر رُوٹھ جاتی ہو!...... کوئی اور طریقہ سوچتے ہیں۔''

''طریقے بعد میں سوچتے رہنا۔ تمہیں پہلے میری ماں سے ملنا ہوگا۔ وہ بھی جلد ہی۔'' امرتا کے لہجے میں اصرار تھا۔

''تمہاری ماں تو سیٹ ہیں نا؟'' کشور نے سوال کیا۔ پھر امرتا کے ماتھے پر شکنیں اُبھرتے دیکھ کر جلدی سے بولا۔ ''آئی ایم سوری! میرا مطلب دراصل یہ ہے کہ تمہاری ماں تو ہماری اس شادی پر راضی ہیں نا؟...... اُنہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟''

''اس کا فیصلہ وہ تمہیں دیکھ کر اور تم سے ملنے کے بعد ہی کریں گی۔'' امرتا نے صاف بات کی۔

''تو بتا دو کہ کب اور کہاں اپنا یہ چاند سا مکھڑا دکھانا ہے اُنہیں؟'' کشور نے مسکرا کر پوچھا۔

''میری ماں کسی ہوٹل یا ریسٹورنٹ میں تو آنے سے رہیں۔ اُنہوں نے اسی لئے مندر میں آنے کو کہا ہے۔''

کشور چونک اُٹھا اور بولا۔ ''مَن...... مندر...... گڈ آئیڈیا! مگر کب؟''

''میں سمجھی نہیں تمہارا کیا مطلب ہے!...... ویسے ملاقات کے لئے منگل کا دن بہتر ہے۔''

''مطلب تمہاری ماں ہی کو بتاؤں گا۔'' کشور بولا۔ ''منگل تو بہت دُور ہے۔ تمہارا کوئی فون نمبر...... میرا مطلب رابطہ نمبر ہے؟''

''ہاں بلڈنگ کے باہر ہی ایک جنرل سٹور ہے۔ وہاں فون ہے۔ وہ بھلے آدمی ہیں، کوئی ضروری پیغام ہو تو گھر پہنچا دیتے ہیں۔'' امرتا نے بتایا۔

کشور نے اپنا موبائل امرتا کی طرف بڑھا دیا اور کہا۔ ''یہ لو، اس پر اسٹور کا نمبر ملاؤ اور ماں کو یہ پیغام بھجوا دو کہ وہ جس مندر میں ملنا چاہیں بتا دیں اور ایک گھنٹے کے اندر اندر وہاں پہنچ جائیں۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر آ جائیں، کرایہ میں ادا کر دوں گا۔''

امرتا موبائل پر نمبر ملانے لگی۔

✡ ...... ✡
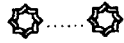
سلوچنا ٹیکسی سے اُتری ہی تھی کہ امرتا اور کشور اُس کے سامنے پہنچ گئے۔ کشور نے جھک کر سلوچنا کے پاؤں چھوئے۔ کشور کے سر پر ہاتھ پھیر کر سلوچنا نے اُسے دُعا دی، پھر وہ اُن دونوں کے ساتھ قریب کھڑی ہوئی کار میں آ بیٹھی۔ اس سے پہلے کشور نے ٹیکسی والے کو کرایہ ادا کر دیا تھا۔

''یہ تو بڑی اچھی کار ہے۔'' سلوچنا بے اختیار بول اُٹھی۔ اُس کے لہجے سے خوشی جھلک رہی تھی۔ پھر اُس نے سوال کیا۔ ''یہ کار کے اندر ٹھنڈک کیسی بھری ہوئی ہے؟''

''یہ ایئر کنڈیشنڈ کار ہے ماں!'' امرتا نے جلدی سے بتایا۔ ''میں نے کشور کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ انہوں نے منگل کو ملنے کی بجائے تمہیں آج ہی بلوا لیا۔''

''اچھا کیا بیٹے!'' سلوچنا، کشور سے مخاطب ہوئی۔ ''میں تو خود ہی تم سے جلد ملنا چاہتی تھی۔''

''ماں جی! کم از کم آپ کو تو مجھ پر بھروسہ ہونا چاہئے۔'' کشور کہنے لگا۔ ''امرتا نے میرے بارے میں آپ کو سب کچھ بتا ہی دیا ہوگا۔''

''بیٹے! یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو۔'' سلوچنا بولی۔ ''اگر مجھے تم پر بھروسہ نہ ہوتا تو امرتا کو کیوں ملنے دیتی؟''

''تو پھر آپ میری طرف سے کیا ضمانت یا کس قسم کی گارنٹی چاہتی ہیں، مجھے صاف صاف بتا دیں۔'' کشور کا لہجہ معنی خیز تھا۔ ''میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں، آپ کا مقصد یہ ہے کہ ڈیڈی، امرتا کو کالج جانے سے نہ روکیں اور کہیں دوسری جگہ رشتے کی بات بھی نہ کریں۔''

''اگر میں تعلیم یافتہ ہوتی بیٹے تو کسی بات کی فکر نہیں تھی۔ پھر تو امرتا کے ڈیڈی بھی یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دیتے۔'' سلوچنا نے کہا۔ ''مسئلہ میرے کچھ ماننے یا نہ ماننے کا نہیں، امرتا کے بارے میں فیصلہ مجھے نہیں اس کے ڈیڈی کو کرنا ہے۔ تم اپنے ماں باپ سے بات کر کے اُنہیں امرتا کے ڈیڈی سے ملوا دو۔''

''ماں جی! ابھی میں مجبور ہوں، ایسا نہیں کر سکتا۔'' کشور نے معذرت کی۔ ''اس کا سبب امرتا کو میں بتا چکا ہوں۔ ویسے بھی ہمارے پھیرے ابھی نہیں، پڑھائی مکمل ہونے

کے بعد ہی ہوں گے۔ ایسی صورت میں میرے پاس ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے۔''

''وہ راستہ کیا بیٹے؟'' سلوچنا نے سوال کیا۔

''میں آج اور ابھی بھگوان کے سامنے اس مندر ہی میں امرتا کی مانگ بھر دیتا ہوں۔'' کشور نے جواب دیا۔

سلوچنا نے یہ سنا تو کہا۔ ''ہے بھگوان، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ جب تک امرتا کے ڈیڈی کنیا دان نہ کر دیں اُس وقت تک......''

''ڈیڈی اس طرح تو کنیا دان کریں گے نہیں۔ اور میرے پاس آپ کو یقین دلانے کا اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ اگر آپ کو مجھ پر بھروسہ ہے اور امرتا کا مستقبل روشن دیکھنا چاہتی ہیں تو پھر کچھ سوچئے مت، بس ہمارے ساتھ مندر میں چلی آیئے۔'' کشور نے یہ کہتے ہی کار سے باہر قدم رکھا۔ امرتا بھی اُس کے ساتھ تھی۔

سلوچنا کے قدم جیسے خود بخود مندر کی طرف اُٹھنے لگے۔ اُس کا دل تیزی کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ کشور کے ساتھ امرتا بھی چل تو رہی تھی، مگر اُس کی آنکھوں میں اپنے باپ رمیش کا چہرہ بار بار گھوم رہا تھا۔ رمیش کی اجازت کے بغیر پھیرے لینا اُسے عجیب سا لگ رہا تھا۔ امرتا کے چہرے پر اسی لئے ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ وہ کچھ پریشان اور خوفزدہ سی دکھائی دے رہی تھی۔

کشور اُن دونوں کو پنڈت جی کے پاس لے آیا اور اُنہیں پانچ پانچ سو کے کئی نوٹ دے کر بولا۔ ''پنڈت جی! ہمارے پاس مہورت نکلوانے کا وقت نہیں ہے۔ مجھے ابھی اور اسی وقت اس لڑکی امرتا کے ساتھ پھیرے لینے ہیں، ہم دونوں عاقل اور بالغ ہیں، کیا کوئی ثبوت دکھانے کی ضرورت ہے؟''

پانچ سو روپے کے کئی نوٹوں کی شکل میں پنڈت جی کو ''ثبوت'' پہلے ہی مل چکا تھا۔ اُنہوں نے فوراً کہا۔ ''ثبوت کی کوئی ضرورت نہیں نوجوان! تم دونوں کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ بالغ اور سمجھدار نہیں ہو۔ وقت کا ہر پل بھگوان کا ہے اس لئے کوئی بھی سمے شبھ (مبارک) ہوتا ہے۔''

''تو پھر جلدی کیجئے مہاراج!'' کشور بے چینی سے کہنے لگا اور پنڈت جی اپنے چیلوں کو پکارنے لگے۔

❁......❁

کشور نے ایئر کنڈیشنڈ رُوم کا دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ یہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل کا ڈبل رُوم تھا۔ دروازہ بند ہوا تو امرتا کے چہرے کا رنگ حیا سے سرخ ہو گیا۔ وہ آرام دہ بیڈ پر سر جھکائے شرمائی ہوئی سی بیٹھی تھی۔ چند لمحے بعد کشور بھی اُس کے پاس آ بیٹھا اور شرارت بھرے لہجے میں پوچھنے لگا۔ ''آج تو تم محبت کا خراج ادا کرنے پر تھپڑ نہیں ماروگی؟...... اب تو تمہارے اوپر میرا پورا حق ہے نا!''

امرتا نے یہ سنتے ہی دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ اُس کی مانگ میں سیندور بھرا ہوا تھا اور ماتھے پر بندیا تھی۔

کشور نے اُس کی دونوں کلائیاں تھام کر چہرے سے ہاتھ ہٹا دیئے اور کہا۔ ''یقین مانو اس وقت تم کوئی اپسرا لگ رہی ہو۔ ہماری جان نہ لے لینا۔''

''بھگوان نہ کرے! آج مبارک دن ہے ایسی منحوس باتیں منہ سے نہ نکالیں۔'' یہ کہتے ہی امرتا نے دھیرے سے اپنا سر کشور کے سینے پر رکھ دیا اور آنکھیں بند کرلیں۔

❁......❁

رمیش اُس روز بہت تھکا ہوا اور نڈھال سا دکھائی دے رہا تھا، پھر بھی کسی طرح خود کو سنبھالے ہوئے تھا۔ اُس نے دروازے پر دستک دی۔

دروازہ کھل گیا تو رمیش اندر داخل ہوا اور سامان کے تھیلے سلوچنا کو دے کر بولا۔ ''پانچ کلو آٹا، دو کلو دالیں اور چار کلو سبزی۔'' پھر اُس نے اندر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''امرتا ابھی تک کالج سے واپس نہیں آئی؟''

''آئے گی نہیں تو کہاں جائے گی۔'' سلوچنا نے پُرسکون آواز میں جواب دیا۔

رمیش نے ڈرائنگ رُوم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''بلاؤ اُسے۔'' پھر اُس نے ڈرائنگ رُوم میں جا کر اپنا بیگ میز پر رکھ دیا۔

سلوچنا زور سے آواز دے کر بولی۔ ''امرتا! تمہیں تمہارے ڈیڈی بلا رہے ہیں۔''

رمیش پرانے صوفے پر بیٹھ گیا۔ ہلکی سی آہٹ کے ساتھ پیچھے میں کسی کی ہلکی سی کھسر پھسر سنائی دی۔ اس کے تقریباً پانچ منٹ کے بعد امرتا ڈرائنگ رُوم کے دروازے پر نظر آئی۔ اُس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں، چہرے سے واضح طور پر محسوس ہو

رہا تھا جیسے اُس کے اندر کوئی بہت بڑی تبدیلی آ چکی ہے، کوئی ایسی عجیب اور انوکھی تبدیلی جسے رمیش کوئی نام نہ دے سکا۔ پھر بھی نا معلوم کیوں امرتا میں اس تبدیلی کو محسوس کر کے وہ اندر سے خوفزدہ ہو گیا۔ اُسے یوں لگا جیسے امرتا کے چہرے سے معصومیت، بچپن اور لڑکپن سب ایک ساتھ اور اچانک رخصت ہو گئے ہیں۔

امرتا کی طرف دیکھ کر آج رمیش کو عجیب سا احساس ہوا۔ وہ لڑکی جو اُس کی آواز سن کر کانپ اُٹھتی تھی، کچھ بیگانی بیگانی سی اُس کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ اُس کے چہرے پر اس وقت خوف کی خفیف سی پرچھائیں بھی نہیں تھی۔ اس حقیقت نے رمیش کو اندر سے ہلا کر رکھ دیا۔

''کون ہے وہ لڑکا؟'' رمیش نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پا کر امرتا سے دریافت کیا۔

''کشور'' امرتا نے سر جھکائے جھکائے بتایا۔

''کیا کرتا ہے؟'' رمیش نے معلوم کیا۔

''پڑھ رہا ہے۔'' امرتا نے جواب دیا۔

''اُس کا باپ؟'' رمیش کی سوالیہ نظریں امرتا کی طرف اُٹھیں۔

''اُن کا نام گوتم داس ہے اور وہ بہت بڑے صنعت کار ہیں۔'' امرتا نے بتانے میں دیر نہیں کی۔ یہ ساری باتیں اُسے کشور سے پتہ چلی تھیں۔

''میں اُس لڑکے سے ملنا چاہتا ہوں۔ کل کالج سے چھٹی کے بعد اُسے یہاں لے آنا۔''

''لیکن کل تو اتوار ہے، کالج کی چھٹی ہے۔'' امرتا دھیمی آواز میں کہنے لگی۔ ''میری کچھ سہیلیاں پکنک منانے پونا جا رہی ہیں، انہوں نے میرا نام بھی لکھوا دیا ہے اور میرے حصے کی رقم بھی ادا کر دی۔ میں اُن کے ساتھ پکنک پر پونا جا رہی ہوں۔''

''پونا سے کب واپس آؤ گی؟'' رمیش نے پوچھا۔

''کل شام یا رات تک، کسی بھی وقت آ جاؤں گی۔'' امرتا نے کہا۔

''تو پھر ٹھیک ہے، پیر کے دن اُس لڑکے کو لے آنا۔'' رمیش بولا تو امرتا نے اقرار میں سر ہلا دیا۔ اور پھر چند لمحے مزید رُک کر ڈرائنگ رُوم سے نکل گئی۔ نہ جانے کیوں

رمیش کا دل گھبرا رہا تھا۔ وہ جانے کے لئے اُٹھا ہی تھا کہ سلوچنا چائے لے آئی۔

رمیش پھر بیٹھ گیا۔ سلوچنا کی نظریں اُس کے چہرے پر تھیں۔ اُس نے سوال کیا۔

''کہیں جا رہے تھے کیا؟''

''کیوں، کیا اب مجھے کہیں جانے کے لئے بھی تم سے اجازت لینے کی ضرورت ہو گی؟'' رمیش بولا۔

''لو چائے پیو۔ تم تو ذرا سی بات پر بچوں کی طرح بگڑ جاتے ہو۔ تمہارا غصہ تو ہر وقت ناک ہی پر رکھا رہتا ہے۔'' سلوچنا کہنے لگی۔ رمیش چائے پینے لگا تو اُس نے دوبارہ بات شروع کی۔ ''اب وہ پہلے والا زمانہ نہیں رہا جب بچوں کو محض نظروں سے ڈرا دیا جاتا تھا۔ آج کی نسل اتنی باشعور ہے کہ اپنا برا بھلا سمجھ سکتی ہے۔''

''کیوں نہ ہو۔'' رمیش کی آواز میں چبھن تھی۔ ''جب تم جیسی مائیں نئی نسل کو سمجھائیں گی تو اس کی سمجھ میں کیوں نہ آئے گا۔''

''تم نے بھی کبھی بچوں کو سمجھانے کی کوشش کی ہے یا کبھی اُن کو سمجھا ہے؟ اُن کے پاس بیٹھ کے دو میٹھے بول بولے ہیں؟''

''نہیں وہ تو میرا بھوت تھا جو دس بارہ سال پہلے اسی ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر بچوں کے ساتھ کھانا کھاتا، ٹی وی دیکھتا، اُن سے ہنستا بولتا اور گپ شپ کرتا تھا۔'' رمیش کے لہجے میں بدستور چبھن تھی۔ اُس نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر مزید کہا۔ ''اُس وقت یہ صرف بچے تھے اور گھر گرہستی پر میرا راج تھا۔''

سلوچنا ہنس کر بولی۔ ''اور جیسے اب تو تم نے میرے سر پر ہیرے جواہر کا تاج رکھ کے مجھے مہارانی بنا کر تخت پر بٹھا دیا ہے۔ حکومت مجھے سونپ دی ہے۔''

''میں تمہیں تاج کیا پہناؤں گا۔'' رمیش نے طویل سانس لیا۔ ''راج پاٹ جسم یا گھر پر نہیں ہوتا بلکہ دل و دماغ پر ہوتا ہے۔ مجھے آٹے دال کا بھاؤ جاننے سے فرصت ملے تو کچھ کروں نا۔ ظاہر ہے تمہیں اسی لئے گھر کے راج پاٹ کو سنبھالنے کا موقع مل گیا۔''

''دراصل ابھی تمہارے سر سے غصے کا بھوت نہیں اُترا۔'' سلوچنا بولی۔

''جب راشن پانی کا بھوت سر پر سوار رہتا ہے تو پھر اپنی بے بسی پر غصہ تو آئے گا

ہی۔'' رمیش کسی قدر بیزار لہجے میں کہنے لگا۔

''اچھا چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ بتاؤ تم کہاں جا رہے تھے؟'' سلوچنا نے پوچھا۔

''جہنم میں جا رہا تھا۔'' رمیش نے غصے میں جواب دیا۔ ''کہو تو ابھی چلا جاؤں؟''

''تمہارے ساتھ جہنم میں تو مجھے بھی جانا پڑے گا۔''

''ہر بات کو مذاق میں مت ٹالا کرو۔'' رمیش سنجیدہ تھا۔

''مجھے نہ تو پتنگ اُڑانا آتی ہے نہ ہوائی جہاز، پھر تمہاری باتیں بھی مذاق میں نہ اڑاؤں تو کیا کروں۔'' سلوچنا نے کہا۔ رمیش اُٹھنے لگا تو وہ مزید پوچھنے لگی۔ ''اچھا ایک بات بتاؤ...... کیا تمہیں یہ بات بری لگتی ہے کہ امرتا، کشور کو پسند کرنے لگی ہے؟ کشور بھی امرتا کو دل سے چاہتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ امرتا سے شادی کرنے کا بھی خواہشمند ہے۔ میرے خیال میں تو اگر دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو اس میں کوئی برائی نہیں۔''

''ہاں ہاں، کیوں نہیں! بہت اچھا ہے۔'' رمیش طنزیہ انداز میں بولا۔

''اگر یہ اتنا ہی برا ہے، میرا مطلب پیار کرنے سے ہے تو پھر تم اپنی شادی سے پہلے کیوں کسی کو چاہتے تھے؟'' سلوچنا نے سوال کیا۔

''سلوچنا! تم کس زمانے کی بات کر رہی ہو؟ اُس زمانے میں پیار کو عبادت سمجھا جاتا تھا۔''

''اور اب؟...... کیا اب ایسا نہیں سمجھا جاتا؟'' سلوچنا نے دریافت کیا۔

''اس سوال کا جواب تو وقت ہی دے گا سلوچنا!''

''میں کہتی ہوں تم ایک بار کشور سے مل کر تو دیکھ لو، تمہارے شکوک وشبہات دُور ہو جائیں گے۔''

''وہ تو میں ملوں گا ہی۔'' رمیش نے کہا۔ ''آخر کو میں باپ ہوں۔ باپ کا فرض تو ادا کرنا ہی ہوگا۔''

''کشور بہت اچھا لڑکا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ امرتا ہی سے شادی کرے گا۔''

''بھگوان تمہاری زبان مبارک کرے۔'' رمیش بولا۔ ''مجھے اپنی بیٹی سے کوئی دشمنی نہیں ہے، لیکن یہ جتنے بھی دولت مند لڑکے ہوتے ہیں، سب کے سب شکاری ہوتے

ہیں۔ یہ لڑکے پیار کا جھانسہ دے کر چھوٹے یا درمیانے طبقے کی لڑکیوں کو اپنے سنہرے جال میں پھانستے ہیں اور پھر ان لڑکیوں کی زندگی برباد کر کے چپ چاپ کھسک جاتے ہیں۔''

اس موقع پر سلوچنا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ رمیش نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے روک دیا اور کہنے لگا۔ ''اچھا بس کرو۔ جتنی زیادہ بحث کرو گی اتنی ہی تلخی بڑھے گی۔ مجھے معلوم ہے تم اپنی شکست کبھی تسلیم نہیں کرو گی۔ ٹوٹ جاؤ گی مگر جھکو گی نہیں۔ اس لئے مستقبل کا فیصلہ آنے والے وقت ہی پر چھوڑ دو۔'' یہ کہہ کر رمیش اُٹھا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

سلوچنا نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا اور لپک کر اندر کی طرف بڑھی۔ بیچ ہی میں اُسے امرتا نظر آ گئی۔

''سن لیا تو نے بیٹی!'' سلوچنا نے امرتا کو بھرائی ہوئی آواز میں مخاطب کیا۔ ''تیری خاطر مجھے تیرے باپ سے کیا کیا سننا پڑ رہا ہے۔''

''ماں! گھبراؤ نہیں۔'' امرتا پُرسکون آواز میں کہنے لگی۔ ''اس وقت ڈیڈی غصے میں ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اگر میرا اور کشور کا پیار اور ہم دونوں کا یہ رشتہ سچا ہے تو آہستہ آہستہ ڈیڈی سب کچھ مان جائیں گے۔ پھر کوئی اُلجھن باقی نہیں رہے گی۔''

سلوچنا سرد آہ بھر کر رہ گئی۔

✪......✪
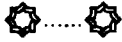
رمیش گراؤنڈ فلور پر پہنچا تو اچانک اُس کی نظر بلڈنگ کے عقبی گیٹ پر پڑی۔ اُس طرف سے انوپ دُوربین گلے میں لٹکائے بالکل چوروں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا دبے پاؤں اپنے بلاک کی سمت آ رہا تھا۔

رمیش وہیں رُک گیا۔ پھر جیسے ہی انوپ نے بلاک کی حدود میں قدم رکھا، رمیش سامنے آ گیا۔

انوپ اُچھل پڑا اور بولا۔ ''آ...... آپ یہاں کیا...... کیا کر رہے ہیں ڈیڈی؟''

''تیرا انتظار۔'' رمیش نے جواب دیا۔

''مم...... مگر کیوں؟...... میرا انتظار کس لئے؟......''

"اپنی موسی کے گھر سے آ رہا ہے نا؟" رمیش نے اُس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

یہ سن کر انوپ کچھ گھبرا گیا۔ یوں بھی ذہنی طور پر وہ بچہ ہی تھا۔ خود پر قابو پا کر وہ بولا۔ "بھلا میں...... میں موسی کے ہاں کیا دینے جاتا۔"

"اچھا تو موسی کو کچھ دینے گیا تھا۔" رمیش کا لہجہ تصدیق طلب تھا۔

"مگر آپ کو کیسے پتہ چل گیا کہ...... کہ میں آٹا، دال اور چاول دینے گیا تھا!"

"تیرا باپ ہوں میں!...... کیا مجھے اتنی بات معلوم نہیں ہو سکتی؟ ابے اُلّو! کیا کوئی اپنے گھر میں بھی نقب لگاتا ہے۔"

"نقب!...... ارے نہیں۔" انوپ چونک اُٹھا، پھر بولا۔ "مگر...... مگر ہمارے فلیٹ میں تو نقب لگانے کی جگہ ہی نہیں ہے۔"

"تو دیکھتا ہے کہ میں دن بھر جوتیاں گھستا ہوں تب کہیں جا کر راشن کا بندوبست کرتا ہوں اور تو اپنی ماں کے کہنے پر وہ راشن موسی کو دے آتا ہے۔ تو کبھی یہ نہیں سوچتا کہ راشن بچے گا تو کس کے کام آئے گا۔ وہ تیرے، تیری ماں اور بہن ہی کے تو پیٹ میں جائے گا نا۔" رمیش کا انداز سمجھانے والا تھا۔

انوپ سر کھجاتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا، مگر ڈیڈی! اس بار آپ کا کچھ نہیں گیا۔"

"پھر کس کا گیا ہے؟" رمیش نے چونک کر سوال کیا۔

"یہ جو اپنے جیجا جی ہیں نا کشور، اُن کا گیا ہے۔" انوپ نے جواب دیا۔

"کیا بکواس کرتا ہے؟" رمیش نے اُسے ڈانٹ دیا۔ "ابھی تو اُس سے رشتے کی بات نہیں ہوئی تو وہ تیرا جیجا کیسے ہو گیا؟"

"یہی تو آپ کو نہیں معلوم ڈیڈی!" انوپ بچوں کی طرح رازدارانہ آواز میں بولا۔ "اور معلوم بھی کیسے ہوتا جب کہ میں نے کچھ بتایا ہی نہیں۔ خیر تو اب بتائے دیتا ہوں کہ ماں نے امرتا دیدی اور کشور کا لگن مندر میں کرا دیا ہے۔"

یہ سن کر رمیش کے اعصاب میں زبردست چھناکا ہوا۔ اُس کا پورا وجود ہل کے رہ گیا۔ وہ دھیرے سے بڑبڑایا۔ "تو تیری ماں نے یہ گھٹیا کام بھی کر ڈالا۔"

"دیدی اور جیجا جی ایک بڑے ہوٹل میں بھی مجھے اور ماں کو لے گئے تھے۔"

انوپ بتانے لگا۔ "پھر ہم تو دعوت کھا کر واپس آ گئے، دیدی وہیں رہ گئیں۔ پھر وہ شام ہی کو آئی تھیں۔ ماں نے مجھ سے منع کر دیا تھا کہ اپنے ڈیڈی کو کچھ نہ بتانا۔"

رمیش کے دماغ میں دوسرا دھماکہ ہوا۔ اُس کے تصور میں امرتا کا چہرہ گھوم گیا جس پر اُسے پہلے جیسی معصومیت نظر نہیں آئی تھی۔

"اور اب تیری دیدی، پونا جا رہی ہے۔" رمیش نے دھیمی آواز میں کہا۔

"ہاں وہ جیجا جی کے ساتھ جا رہی ہے۔" انوپ نے تصدیق کی۔ "مگر یہ بات آپ کو کیسے معلوم ہوئی؟"

"اس بات کو چھوڑ اور یہ بتا موسی کو تیرے ہاتھوں روپے بھی بھجوائے گئے ہیں؟" رمیش نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"پہلے تو بس پانچ سو روپے بھیجے تھے مگر اب پورے تین ہزار بھجوائے ہیں۔" انوپ بچوں کی طرح دھیمی آواز میں بولا۔

"دیکھ بیٹے، مجھے معلوم ہے کہ تجھ میں زیادہ سمجھ نہیں، مگر میں جانتا ہوں کہ اس میں تیرا کوئی قصور نہیں۔" رمیش نرم لہجے میں کہنے لگا۔ "میں تجھے بس چند باتیں سمجھاؤں گا، وہ بھی ایسی باتیں جو تیری عقل میں آ جائیں۔ دیکھ! جب کسی خاندان کی کشتی کھینے والے کے ہاتھ شل ہو جاتے ہیں تو کشتی ڈوبنے لگتی ہے۔ اگر کشتی کھینے والا اکیلا ہو تو ہر خاندان کا بیٹا اپنے باپ کی مدد کرنے لگتا ہے، باپ کا ہاتھ بٹاتا ہے۔" رمیش نے انوپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا، پھر نڈھال سی آواز میں اپنی بات جاری رکھی۔ "تو میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ اگر تیری ماں نے بچپن ہی سے تجھ پر توجہ دی ہوتی تو شاید تیری یہ حالت نہ ہوتی۔ پھر بھی بیٹے، ابھی وقت ہے سنبھل جا۔ اگر تو اپنے خاندان کی کشتی کو ڈوبنے سے بچانا چاہتا ہے تو سچ مچ میرا بازو بن جا...... سب کو ڈوبنے سے بچانے میں میری مدد کر۔"

اپنے باپ کے درد بھرے لہجے کو محسوس کر کے انوپ کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔ وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔ "ڈیڈی! آپ...... آپ تو بڑے اچھے ہیں۔ میں تو سمجھتا تھا کہ آپ بہت سخت ہیں۔ مجھے تو یہ بھی پتہ چلا تھا کہ شادی سے پہلے آپ کسی کو پیار کرتے تھے اور اُسے آج تک بھول نہیں سکے۔ آپ اسی لئے ذہنی طور پر

ماں اور ہم دونوں بہن بھائی سے دُور ہی رہے ہیں، کسی کے قریب نہیں آسکے۔''

''تجھے کس نے یہ بات بتائی؟'' رمیش نے معلوم کیا۔

''ماں نے بتائی تھی۔'' انوپ نے جواب دیا۔

جواب سن کر رمیش نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے، پھر چند لمحے بعد کسی قدر نفرت سے کہا۔''اُس عورت نے میری اولاد کے ذہن میں یہ زہر کیوں بھر دیا؟''

انوپ اپنے باپ کے چہرے کو حیرت سے دیکھنے لگا جس پر دُکھ کی پرچھائیاں سی رقص کر رہی تھیں۔

''میں نے اپنے بچوں کو پیار کرنے میں کون سی کمی چھوڑی ہے۔'' رمیش دُکھ بھری آواز میں کہہ رہا تھا۔''اپنے خاندان کے لئے میں نے خود کو وقف کر دیا۔ تیری ماں کو بھی اُس کا ہر حق دیا، اس کا ہر مطالبہ پورا کیا، اسے کوئی کمی نہیں ہونے دی۔'' یہ کہتے کہتے رمیش کی آواز بھرا گئی۔ پھر اُس نے اپنے جذبات پر قابو پا کر انوپ کو مخاطب کیا۔''سن بیٹے! تجھے سراغ رساں بننے کا شوق ہے نا۔ میں بناؤں گا تجھے سراغ رساں۔ میں تجھے دفتر بھی لے کر دُوں گا، مگر ایک شرط ہے۔''

''وہ کیا ڈیڈی؟'' انوپ نے جلدی سے پوچھا۔

''تو اس گھر کو بچانے میں میری مدد کرے گا۔'' رمیش نے بتایا۔ انوپ کے ساتھ اُس کا رویہ کسی بچے کو سمجھانے جیسا تھا۔

''آپ حکم تو کریں ڈیڈی! پھر دیکھئے انوپ آپ کے لئے کیا کر کے دکھاتا ہے۔''

''نمبر ایک تو یہ کہ گھر میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے مجھے باخبر کرتا رہ۔'' رمیش نے کہا۔

بات پوری ہونے سے پہلے ہی انوپ بول اُٹھا۔''اور نمبر دو ڈیڈی؟''

''اپنے گھر کو لوٹ کر موسی کا گھر مت بھر۔''

''ٹھیک ہے ڈیڈی! اب گھر کی کوئی بات آپ سے چھپی نہیں رہے گی۔'' انوپ نے یقین دہانی کرائی۔

''سوچ لینا بیٹے، اب میں تم پر بھروسہ کر رہا ہوں، میرے بھروسے کو ٹھیس نہ پہنچانا۔''

معاً رمیش نے کسی کی آہٹ سنی۔ اُس نے جلدی سے انوپ کو اوپر جانے کا اشارہ

کیا اور خود بلاک سے نکل گیا۔ انوپ آگے بڑھا تو اُس کے ذہن میں رمیش کے کہے ہوئے یہ الفاظ گونج رہے تھے۔''تجھے سراغ رساں بننے کا شوق ہے نا۔ میں بناؤں گا تجھے سراغ رساں......'' ان الفاظ کی ذہن میں گونج نے انوپ کی چال ہی بدل دی۔ وہ بڑے فخریہ انداز میں سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچا اور آخری سیڑھی پر ٹھوکر کھاتے کھاتے بچا۔ پھر اُس نے زور زور سے دروازہ پیٹ ڈالا۔

کچھ دیر میں دروازہ کھل گیا اور سلوچنا اُس پر برس پڑی۔''کیا دروازہ توڑ دے گا، بھنگ پی کر آیا ہے؟''

اچانک وہ اپنے چہرے سے خوفزدہ سا نظر آنے لگا اور کہنے لگا۔''میں...... میں تھوڑا سا جذباتی ہو گیا تھا۔''

سلوچنا نے اُسے غور سے دیکھ کر سوال کیا۔''کیا تجھے نیچے تیرے ڈیڈی ملے تھے؟''

یہ سن کر انوپ اُچھل پڑا اور بولا۔''لگتا ہے شک ہو گیا ہے۔''

''کیسا شک؟...... کیا بک رہا ہے؟''

اس عرصے میں امرتا بھی اندر سے باہر نکل آئی تھی۔

انوپ کے وجود میں چھپا ہوا بچہ بیدار ہو گیا اور اُس نے سوچا، ماں سے کچھ چھپانا اچھا نہیں ہوگا۔ اسی خیال سے اُس نے کہا۔''ماں! ڈیڈی کو معلوم ہو گیا ہے کہ تم نے دیدی اور کشور کی شادی مندر میں کرا دی ہے اور تم مجھے ساتھ لے کر ہوٹل میں گئی تھیں۔ پھر دیدی وہیں ہوٹل میں کشور کے ساتھ رہ گئی تھیں اور شام کو واپس آئی تھیں۔ ڈیڈی کو تو یہ بھی پتہ چل گیا ہے کہ ڈیڈی اور جیجا جی ہنی مون منانے پونا جا رہے ہیں۔''

''کیا؟...... کیا کہہ رہا ہے تو؟'' سلوچنا چکرا کے رہ گئی۔

''ڈیڈی کو تو یہ بھی خبر ہے کہ تم نے ایک بار موسی کو پانچ سو اور دوسری مرتبہ تین ہزار روپے بھجوائے تھے۔ اس کے علاوہ یہ کہ تم میرے ہاتھ اُنہیں راشن بھی بھجواتی رہتی ہو۔''

''اور کیا کہا تیرے ڈیڈی نے؟'' سلوچنا نے خود پر قابو پاتے ہوئے دریافت کیا۔

''بالکل نہیں بتاؤں گا!...... میں اپنے ڈیڈی کا ایک ہی تو بیٹا ہوں۔ اگر خاندان کی کشتی کھینے والے......'' انوپ نے ساری باتیں بتا دیں جو رمیش نے اُس سے کی

تھیں۔

امرتا اُسے گھور کر بولی۔ ''تو اب تم ڈیڈی کے لئے ہماری جاسوسی کرو گے۔''

''بات دراصل یہ ہے دیدی کہ ڈیڈی مجھے سراغ رساں بنائیں گے اور اس کے لئے دفتر بھی لے کر دیں گے۔'' انوپ نے وہ بات بھی بتا دی جواب تک نہیں کہہ سکا تھا۔

''تیرے ڈیڈی کی تو لاٹری نکلنے والی ہے نا!'' سلوچنا طنزیہ آواز میں کہنے لگی۔ ''پانچ سو روپے کا نوٹ تڑوانے کے بہانے تین مہینے سے مختلف دُکانداروں کو بے وقوف بنا کے راشن لا رہے ہیں، وہ بھی تھوڑا تھوڑا...... وہ تجھے کیا دفتر کھلوا سکتے ہیں۔ بے وقوف بنا رہے ہوں گے۔''

''ہرگز نہیں۔'' انوپ نے انکار میں سر ہلایا۔ ''میرے ڈیڈی ایسے نہیں ہو سکتے۔''

''اس بے وقوف کو تو ہی سمجھا امرتا!'' سلوچنا نے کہا۔

امرتا نے ماں کے کہنے پر انوپ کو مخاطب کیا۔ ''دفتر تو تجھے جیجا جی ہی دلوا سکتے ہیں۔ میں نے انہیں بتایا تھا کہ تم کتنے ذہین ہو۔ انہوں نے تو تمہارے لئے دفتر کھلوانے کے علاوہ کار دلوانے کا بھی وعدہ کیا ہے۔ پیدل چل چل کر بھلا تم کس طرح سراغ رسانی کرو گے؟''

''کیا واقعی دیدی؟ جیجا جی مجھے کار بھی......''

''اور کیا میں جھوٹ بولوں گی۔'' امرتا بول اُٹھی۔ ''کوئی اپنے چھوٹے بھائی سے بھی کیا جھوٹ بول سکتا ہے۔ مگر ایک شرط ہے کار دلوانے کی۔''

''وہ کیا دیدی؟...... کار کے بدلے تو مجھے ہر شرط منظور ہے، جلدی بتاؤ۔''

''گھر کی کوئی بات تم ڈیڈی کو نہیں بتاؤ گے۔'' امرتا نے بتایا۔ ''ممکن ہے ڈیڈی تم سے پوچھیں تو تمہیں وہی بتانا ہے جو ہم بتائیں گے۔''

انوپ نے خوش ہو کر فوراً ہامی بھر لی۔ ''میں ڈیڈی کو تمہارا پڑھایا ہوا سبق ہی سناؤں گا جو اصل بات ہو گی نہیں بتاؤں گا۔''

''اچھا اب تم جلدی سے اُس سامان کی فہرست بناؤ جو تمہیں اپنے دفتر کے لئے درکار ہو گا۔'' امرتا بولی۔ ''میں تمہارے جیجا جی سے کہہ دوں گی۔ وہ پیر کو آئیں گے، تم چاہو خود اپنے ہاتھ سے سامان کی فہرست دے دینا۔ وہ سب چیزیں تمہیں دلوا

دیں گے۔''

فوراً ہی انوپ اندر کمرے میں چلا گیا۔ سلوچنا نے نتھنے پھلا کر کہا۔ ''تو اس نامعقول لڑکے نے تیرے ڈیڈی کے سامنے سب کچھ اُگل دیا۔ مجھے یہی ڈر تھا۔''

''جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا ماں!'' امرتا بولی۔ ''اب تو یہ دیکھنا، ڈیڈی کیا ایکشن لیتے ہیں۔''

''ہاں۔'' سلوچنا نے سر ہلایا۔ ''ویسے یہ اچھا ہی ہوا کہ اُنہیں ساری بات معلوم ہو گئی۔ ایک نہ ایک روز تو اُنہیں سچائی کا پتہ چلنا ہی تھا۔ اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں اُن سے نمٹ لوں گی، تو کوئی فکر نہ کر۔''

پھر وہ دونوں ماں بیٹی دوسرے کمرے میں جا کے ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگیں۔

✿......✿

رمیش نے بڑے محبت بھرے لہجے میں سلوچنا کو آواز دی۔

''ابھی آئی۔'' سلوچنا نے ہانک لگائی۔

ذرا ہی دیر کے بعد سلوچنا آ گئی تو رمیش نے اُسے اپنے قریب بلا لیا۔ سلوچنا اُس کے بالکل پاس آ گئی تو جیسے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ ''زہریلی ناگن'' کہتے ہوئے رمیش نے سلوچنا کی گردن دبوچ لی۔ سلوچنا بہت مچلی، بہت تڑپی مگر رمیش نے اُس کی گردن نہیں چھوڑی۔

رمیش اُس وقت تک سلوچنا کی گردن دباتا رہا جب تک کہ سلوچنا کا جسم ڈھیلا نہ پڑ گیا۔ سلوچنا کی آنکھیں جیسے اُبلی پڑ رہی تھیں، چہرہ انتہائی بھیانک معلوم ہو رہا تھا۔ رمیش سمجھ گیا کہ وہ مر چکی ہے۔ اُس نے سلوچنا کے مُردہ وجود کو فرش پر گر جانے دیا۔

سلوچنا کے فرش پر گرنے کی آواز سن کر امرتا دوڑتی ہوئی وہاں آ گئی۔ اُس نے یہ منظر دیکھ کر چیخنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ رمیش نے اُس کی گردن بھی پکڑ لی اور پھر اُسے دباتا ہی چلا گیا۔ سلوچنا کی طرح امرتا نے بھی اپنی گردن چھڑانے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہی۔ پھر اُس کے جسم نے کئی جھٹکے لئے۔ آخر کار اُس کی لاش بھی کچھ دیر بعد سلوچنا کی لاش کے برابر پڑی تھی......!

اچانک کسی نے رمیش کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ اُچھل پڑا۔ اسی وقت پل کے نیچے سے ایک تیز رفتار لوکل ٹرین گزری۔ رمیش کی پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی۔ اُس کا سانس بہت تیز تیز چل رہا تھا اور دل کی دھڑکن بے قابو ہوتی جا رہی تھی۔

سامنے کھڑے ہوئے حوالدار نے معاً اُس کا بازو پکڑ لیا اور بولا۔ ''مرنے کا تھا کیا؟ تمہارے کو نہیں معلوم کہ خودکشی کی کوشش کرنا کتنا بڑا اور سنگین جرم ہے...... چھ مہینے کی سزا ہو گی تمہیں......! چلو پولیس اسٹیشن۔''

اسی وقت ایک کار اُن کے پاس آ کر رُکی اور اندر سے کسی نے رمیش کو آواز دی۔

یہ سنتے ہی حوالدار نے جلدی سے رمیش کا بازو چھوڑ دیا۔

''حوالدار! کیا لفڑا ہے؟'' کار کے اندر سے دیویانی نے جھانک کر پوچھا۔

''کچھ نہیں میم صاب! یہ بابو خودکشی کر رہے تھے کہ میں نے دیکھ لیا۔'' حوالدار نے جواب دیا۔

دیویانی زور سے ہنس پڑی اور پھر آہستگی سے بولی۔ ''بزدل...... کاورڈ!'' اس کے بعد دیویانی نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے رمیش سے کہا۔ ''کم آن، گیٹ اِن!''

رمیش کار میں بیٹھ گیا اور کار چل پڑی تو دیویانی نے ہنس کر اُسے مخاطب کیا۔

''آج تم مر جاتے تو مزہ آ جاتا۔ میں اپنے آپ کو اپنے شوہر کے سامنے بیوہ ظاہر کرتی تو وہ جل بھن کر کباب ہو جاتا اور ممکن ہے اسی صدمے میں آج ہی مر جاتا۔'' رمیش کچھ نہ بولا تو دیویانی کہنے لگی۔ ''ایک بار میں نے تمہیں اُدھار کھانا کھلایا تھا۔ تم نے ابھی تک ہوٹل کے پیسے ادا نہیں کئے۔ آج میں تمہیں کوئی چیز اُدھار دُوں گی تو لو گے نا؟''

''پلیز دیویانی! مجھے یہیں اتار دو۔'' رمیش نے کہا۔ اُس کے لہجے سے بیزاری کا اظہار ہو رہا تھا۔

''اس لئے اتار دوں کہ تم دوبارہ خودکشی کی کوشش کرو۔ اگر ایسے ہی مرنا ہے تو اپنے آپ کو میرے حوالے کیوں نہیں کر دیتے۔''

''کیا تم آج مصروف نہیں؟'' رمیش نے ''مصروف'' پر زور دیا۔

''مصروفیت تو تھی مگر اس اُلّو کو، خارش تھی، لہٰذا میں اُسے چھوڑ کر چلی آئی۔ شاید تمہاری وجہ سے۔''

''میری وجہ سے کیا مطلب؟'' رمیش نے دریافت کیا۔

''اور کیا۔ اگر میں نہ آ جاتی تو تم خودکشی کر لیتے یا پھر حوالات میں بند ہو جاتے۔''

یہ کہہ کر دیویانی زور سے ہنس دی۔ پھر اُس نے ڈیش بورڈ سے وہسکی نکال کر رمیش کی طرف بڑھائی اور بولی۔ ''یہ اُدھار دے رہی ہوں، جب تم دولت مند ہو جاؤ، بڑے آدمی کہلانے لگو تو اس کے بدلے میں مجھے پورا کریبٹ خرید کر دے دینا۔''

''نہیں۔'' رمیش نے انکار میں سر ہلایا۔ ''پینے پلانے سے کوئی بڑا آدمی نہیں بن

سکتا۔ تم اپنا یہ اُدھار اپنے پاس ہی رکھو۔" وہ سنجیدہ تھا۔

"رمیش! آج میں تمہاری آنکھوں میں خلافِ توقع زمانے سے شکوے کی پرچھائیاں دیکھ رہی ہوں۔ تم تو کہا کرتے تھے کہ تمہیں زندگی سے تو کیا کسی سے بھی کوئی گلہ نہیں۔"

"دیویانی! مجھے اب بھی زندگی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔" رمیش نے کہا۔ "انسان تو انسان کو دیا ہوا قدرت کا انعام ہے۔ زندگی سے شکوہ کرنے کا مطلب قدرت سے شکوہ ہے۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ بھگوان نے مجھے بہت کچھ دیا تھا، بڑی عزت دی تھی۔ جو کچھ بھی کھویا ہے، میں نے نہیں، دوسروں نے کھویا ہے۔"

"تم کہتے ہو کہ اپنے خاندان کی باتیں باہر نہیں کرنی چاہئیں۔ لیکن میں نے تو تمہیں اپنی ہر بات بتا دی تھی، کچھ بھی تو نہیں چھپایا تھا اور تم......؟" اُس نے مشروب کا گھونٹ بھرا۔ "تم اس معاملے میں بڑے کنجوس نکلے۔ تم نہ کسی کو کچھ دینا پسند کرتے ہو، نہ کسی سے کچھ لینا۔ کیا تمہیں اس حقیقت کی خبر نہیں کہ ایک دوسرے کا دُکھ بانٹنے سے سینے کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے......! ویسے اب مجھے کچھ اندازہ ہو رہا ہے کہ تم خودکشی کرنا نہیں چاہتے تھے......لو یہ وہسکی اُدھار لے لو۔" دیویانی نے پھر پیشکش کی۔ "پیو! شاید اس کے بعد تمہاری سمجھ میں آ جائے گا کہ آدمی جہاں پیار کو تلاش کرتا ہے، وہاں اُسے کبھی پیار نہیں ملتا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ جہاں آدمی کے لئے پیار کا سمندر موج در موج استقبال کرنے کو موجود ہو وہ اس طرف کا رُخ نہیں کرتا۔"

"دیویانی پلیز! اب ان باتوں میں کچھ نہیں رکھا۔" رمیش بولا۔ "گزرا ہوا وقت کبھی واپس نہیں آتا۔ پلٹ کر دیکھنے والوں کو محرومیوں کی راکھ کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔ میں اسی لئے تمہیں بھی مڑ کر نہ دیکھنے کا مشورہ دوں گا۔ خود کو تم کیوں دُکھی کرنا چاہتی ہو۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔" دیویانی کی آواز سے غصہ جھلکنے لگا۔ "تم یہ وہسکی اُدھار لے لو ورنہ آج میں یہ گاڑی کسی بھی جگہ پل سے گرا کر تمہیں بھی مار دوں گی اور خود بھی مر جاؤں گی۔ مگر مجھے معلوم ہے کہ تم ابھی مرنا نہیں چاہتے۔ فی الحال میرا بھی مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں اپنے خود غرض و لالچی شوہر کو اپنی آنکھوں کے

سامنے مرتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں، اس کی موت پر خوشیاں منانا چاہتی ہوں، مگر تم......تم اپنے خاندان کی خاطر جینا چاہتے ہو...... ہے نا!"

رمیش نے اپنی جیب سے پانچ سو روپے کا نوٹ نکال کر کہا۔ "اس نوٹ کو بہت دن سے میں نے سنبھال کر رکھا ہے۔ آج تم اس کا کھلا کرا لو اور اس میں سے وہسکی کے روپے کاٹ کر باقی مجھے واپس کر دو۔" یہ کہتے ہوئے رمیش نے پانچ سو روپے کا نوٹ دیویانی کی طرف بڑھا دیا۔

دیویانی اس پر زور سے ہنسی۔ پھر اُس نے وہسکی کی بوتل رمیش کو دے دی اور پانچ سو روپے کا نوٹ اپنے بیگ میں رکھتے ہوئے بولی۔ "کنجوس کہیں کے! اس ایک نوٹ کو تم نے سنبھال کے رکھا ہوا تھا اور غریب ڈھابے والے کا بل ادا نہیں کیا۔ آج ہم دونوں ساتھ کھانا کھائیں گے اور بل بھی دیں گے، مگر اس سے پہلے تمہیں وہسکی ختم کرنا ہو گی۔"

کار جوہو کے پارکنگ میں رُک گئی۔ رمیش نے وہسکی کے ایک ساتھ گھونٹ لئے۔ اُس نے آج تین سال کے بعد پی تھی اس لئے جلن سی محسوس ہوئی۔ پانی اور سوڈا ملانے کا وہ پہلے بھی عادی نہیں تھا۔

دوسری طرف دیویانی بھی مشغول مشروب تھی۔ وہ کچھ دیر بعد کہنے لگی۔ "جب تمہیں نشہ چڑھنے لگے تو بتا دینا۔ میں اچھی طرح ٹھونک بجا کر تمہاری زبان کھلواؤں گی۔"

رمیش نے ایک لمبا گھونٹ بھر کر کہا۔ "کیا کرو گی میرا زبان کھلوا کر......؟ میرے پاس کیا، کسی کے پاس بھی میرے مسائل کا حل نہیں۔"

"بزدل، بے وقوف، ڈرپوک! میں نے عورت ہونے کے باوجود آج تک تمہارے سوا کسی سے ہار نہیں مانی۔ لیکن تم مرد ہو کر بھی شکست کھا رہے ہو۔"

"عورت......! دیویانی، زندگی کی بساط پر عورت ہی مرد کی جیت یا ہار کے لئے سب سے بڑا مہرہ ہوتی ہے۔" رمیش بولا۔

"اور تمہارے پاس جیت والا مہرہ ہے ہی نہیں۔ کیوں، یہی بات ہے نا؟" دیویانی کے اس سوال پر رمیش نے اقرار میں سر ہلا دیا اور مے نوشی کرنے لگا۔ دیویانی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا۔ "میں بتاتی ہوں تمہاری شکست کا سبب کیا

ہے۔ تمہاری غربت اور پریشانی، تمہارے مسائل اس کی وجہ سے ہیں۔ جب تک تم کار میں گھومتے تھے تو شاید اس قدر پریشانیوں کا تمہیں سامنا نہیں تھا۔''

''تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو دیویانی!'' رمیش نے اعتراف کیا۔

''رمیش ڈیئر! مجھے تم اول درجے کے بے وقوف لگتے ہو۔'' دیویانی نے کہا۔ ''بادشاہ کی کمزوری ہی فوج کی بغاوت کو جنم دیتی ہے۔ بادشاہ اس وقت بے بس ہوتا ہے جب خزانے کی چابی اپنے وزیر کو دے دیتا ہے یا پھر خزانے کو تالا لگانا ہی بھول جاتا ہے۔ تم ایک بار اپنی معاشی حالت سدھار کر دیکھو، پھر سے بادشاہ بن جاؤ گے۔''

''دراصل اب مجھے کوئی پالیسی ہی نہیں ملتی۔'' رمیش نے بتایا۔ ''اس عمر میں مجھے کوئی نوکری بھی نہیں دے گا۔ اگر کسی طرح دو چار ہزار کی نوکری مل بھی گئی تو......''

''تو پھر ڈاکہ مارو یا پھر کسی بڑے آدمی کو اغوا کر کے بدلے میں تاوان طلب کرو۔'' دیویانی نے اُس کی بات کاٹ دی۔

''مجھے تم بزدل بھی کہہ رہی ہو اور ایسا مشورہ بھی دے رہی ہو جس پر میں عمل نہ کر سکوں۔''

''تو پھر میرے شوہر کا دس لاکھ روپے میں بیمہ کر لو۔ اب تک کسی کو نہیں معلوم کہ وہ مرنے والا ہے، مگر میں جانتی ہوں تم ہرگز ایسا نہیں کرو گے۔'' دیویانی دھیرے سے ہنس دی۔ ''تم اپنے ضمیر اور اپنی رُوح کے زخمی ہونے کی دہائی دو گے۔''

''ہاں دیویانی! دراصل......''

ایک بار پھر دیویانی اُس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول اُٹھی۔ ''نان سینس! تم اپنے ضمیر اور پاک روح کو تالے میں بند رکھو۔ اس کے بجائے تم اپنی چالاکی، ہوشیاری اور ذہانت کا سودا کر لو۔ سنو رمیش! اس دنیا میں ہر طرف دولت بکھری پڑی ہے۔ آدمی اگر ذہین ہو تو وہ اس میں سے اپنے حصے کی دولت آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ دنیا میں اتنی دولت ہے اور تم پیدل چل رہے ہو۔ اناج کے گودام بھرے پڑے ہیں اور تم دو دو چار چار کلو آٹا خریدتے ہو، پانچ سو کا نوٹ خرچ کرتے ہوئے ڈرتے ہو۔ دولت حاصل کرنے والے تو میرے شوہر جیسے ہوتے ہیں۔''

''وہ بے چارہ تو سسک سسک کر مر رہا ہے، کینسر بھلا اُسے کب تک جینے دے گا۔''

''تمہیں کون سا لاکھوں سال جینا ہے۔'' دیویانی بولی۔ ''ایک دن آخر سبھی کو مرنا ہے، مگر میرا شوہر گدھا نمبر ون ہے۔ پھر بھی میں پُرتعیش زندگی گزار رہی ہوں۔ مجھ میں اور میرے شوہر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔''

''یہ سب اپنی اپنی قسمت کا کھیل ہے۔'' رمیش نے کہا۔ ''کوئی خوش نصیب ہوتا ہے اور کسی کی قسمت میں دھکے کھانا لکھے ہوتے ہیں۔''

دیویانی نے انجن اسٹارٹ کیا اور بولی۔ ''آؤ میرے ساتھ چلو، میں تمہیں دکھاتی ہوں خوش نصیبی اور بدقسمتی کیا ہوتی ہے!''

✿......✿
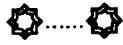
وہ دونوں سیڑھیاں اُتر کر نیچے ہال میں پہنچے جہاں ہر طرف میزوں پر لوگ فلش کھیل رہے تھے۔ دیویانی نے پانچ سو روپے کے ''کاؤنٹر'' خریدے اور پھر وہ رمیش کو لے کر ایک میز کے پاس آ گئی۔ اُسے دیکھ کر ایک جواری نے کرسی خالی کر دی۔

دوسرا جواری بھی اٹھنے لگا تو دیویانی نے ہاتھ اٹھا کر اُسے کہا۔ ''نو تھینکس، میرا فرینڈ کھیلے گا۔''

رمیش کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس وقت وہ پوری طرح نشے میں تھا۔

دیویانی نے ''کاؤنٹر'' رمیش کے سامنے رکھے اور اُس کی کرسی کے ہتھے پر بیٹھ کر بولی۔ ''کھیلو، میں کچھ نہیں بولوں گی۔ مگر مجھے یقین ہے تم ہی جیتو گے۔''

رمیش کے سامنے پہلی بار پتے آئے۔ وہ پتے اٹھانے لگا تو دیویانی نے اُسے ایسا کرنے سے روک دیا۔

رمیش کی سوالیہ نظروں کے جواب میں دیویانی نے کہا۔ ''بلائنڈ کھیلو!''

دیویانی کے اشارے پر رمیش نے سو روپے کے مساوی ''کاؤنٹر'' ڈالے۔ دوسرے جواری نے بھی تقلید کی۔ اُس نے بھی پتے نہیں اٹھائے تھے۔ تیسرے جواری نے اپنے پتے دیکھے اور ڈرا کر لیا۔ دوسری مرتبہ بھی سو سو روپے کے ''کاؤنٹر'' پڑے اور دوسرے جواری نے ڈرا کر لیا۔ اب رمیش کے مقابلے پر ایک جواری رہ گیا تھا۔

رمیش نے سو روپے کا ''کاؤنٹر'' ڈالا تو سامنے والے جواری نے دو سو روپے کا ''کاؤنٹر'' ڈال کر کہا۔ ''شو!''

پتے کھلے اور رمیش بازی جیت گیا۔ اس نے ''کاؤنٹر'' اپنی طرف گھسیٹ لئے۔
پھر بازی چلی۔ اس بار دیویانی نے اُٹھ کر خود رمیش کی طرف سے پانچ سو روپے کے ''کاؤنٹر'' ڈال دیئے۔ دو کھلاڑی تو ڈرا کر گئے اور تیسرے نے ایک ہزار کے ''کاؤنٹر'' ڈالے اور شو کرایا۔ یہ بازی بھی رمیش کے ہاتھ رہی۔
دو گھنٹے بعد رمیش کے سامنے تقریباً پچیس ہزار کے ''کاؤنٹر'' پڑے تھے۔ وہ بلائنڈ کھیلنے کے باوجود ہر بازی جیت رہا تھا۔ ہال کے تمام کھلاڑی اُن کی میز کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا ہے کہ کوئی کھلاڑی مسلسل جیتتے ہی چلا جائے۔
آخری راؤنڈ میں دیویانی نے پوری رقم داؤ پر لگوا دی۔ سامنے پچیس ہزار کے ''کاؤنٹر'' ہو گئے تھے۔ سامنے والے کھلاڑی نے اپنے پتے پھینکتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت آپ نہیں کھیل رہے مسٹر بلکہ آپ کی قسمت کھیل رہی ہے۔''
دیویانی مسکرا کر رمیش سے مخاطب ہوئی۔ ''بس!''
رمیش اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دیویانی نے ایک ویٹر سے ''کاؤنٹر'' اُٹھوائے اور کیش کروا لئے۔ اس کے بعد وہ رمیش کو ساتھ لئے باہر نکل آئی۔
کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں کار میں بیٹھے تو دیویانی نے ہنس کر سوال کیا۔ ''اب کہو رمیش، کون خوش نصیب تھا؟''
''شاید تم!'' رمیش نے جواب دیا۔ ''میں نے سلوچنا کے ساتھ سب کچھ ہار دیا۔ مگر جب تم نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا تو ہر بازی میری جیت بنتی گئی۔''
دیویانی پھر زور سے ہنسی اور رمیش سے بولی۔ ''اچھا چلو کھانا کھلواؤ، ڈھابے والے کا اُدھار بھی ادا کرو اور میری وہسکی کے روپے بھی دو۔''
پھر کار چل پڑی۔ ذرا دیر میں وہ دونوں ڈھابے پر تھے۔ اس وقت رمیش کو عجیب سی مضبوطی کا احساس ہو رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں کوئی اُلجھن اور پریشانی نہیں تھی۔ کھانا کھانے کے بعد دیویانی نے کہا۔ ''اب تم ان روپوں کو بڑھاؤ گے یا برباد کرو گے؟''
''تو کیا اب مجھے ہر روز جوا کھیلنا پڑے گا؟'' رمیش نے پوچھا۔
''ڈرتے ہو جوا کھیلنے سے؟ زندگی تو ہر قدم پر ایک جوا ہے۔ تم صرف پانچ سو روپے کا نوٹ لے کر گھر جاؤ۔ اگر وہ نوٹ برباد نہ ہو تو باقی بھی گھر لے جانا۔''

''نہیں دیویانی! یہ رقم تمہارے ہی پاس زیادہ محفوظ رہے گی۔ میں صرف پانچ سو روپے کا نوٹ لے کر ہی جاؤں گا، باقی سے کل پھر داؤں لگاؤں گا۔'' رمیش بولا۔
''ٹھیک ہے۔'' دیویانی نے طویل سانس لیا۔ ''کل کے لئے میں کوئی مصروفیت نہیں رکھوں گی۔''
پھر وہ دونوں آئندہ روز کا پروگرام طے کرنے لگے کہ کہاں اور کب ملنا ہے۔

❂.....❂
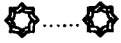
رمیش کار سے اترا تو رات کے دو بج رہے تھے۔ دیویانی واپس چلی گئی۔ کار کی واپسی کے بعد رمیش خود کو سنبھالتا ہوا دبے قدموں اپنے بلاک میں داخل ہوا۔ پھر اُس نے احتیاط سے سیڑھیاں چڑھیں اور اوپر پہنچ گیا۔
دروازہ سلوچنا نے کھولا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر ناک سکوڑتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔
''ہائے رام! آج تم شراب پی کر آئے ہو؟'' سلوچنا کی آواز میں حیرت تھی۔
شراب کے ذکر پر رمیش کی آنکھوں میں امرتا کا چہرہ گھوم گیا، پھر وہ ساری باتیں یاد آنے لگیں جو اُسے انوپ سے معلوم ہوئی تھیں۔ اُس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ اُسے غصہ آنے لگا۔ اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے اُس نے دروازہ دھیرے سے بند کر دیا۔
سلوچنا اُس کے تیور دیکھ کر جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔ وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ رمیش اُس کا بازو پکڑ کر اُسے کمرے میں لے آیا۔
''یہ...... یہ کک...... کیا...... تم کیا کر...... کر رہے ہو؟'' سلوچنا کانپتے ہوئے بولی۔
''خاموش! منہ سے آواز مت نکالنا...... اگر کوئی بھی بچہ جاگا تو......'' رمیش نے دھمکی کے انداز میں اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔
''تت...... تم مجھ...... مجھے اپنے ہوش میں معلوم نہیں ہوتے۔'' سلوچنا ہکلائی۔
''اب میری بات کان کھول کر سن لو! میں ہوش میں آ چکا ہوں اور تمہیں وارننگ دے رہا ہوں کہ اگر میری بیٹی کے ساتھ کچھ بھی ہوا تو...... تو یاد رکھو میں تمہیں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔'' رمیش نے سخت لہجے میں کہا۔
''تو کیا تم بھی جانکی داس کی طرح مجھے......'' سلوچنا کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اُس کے منہ پہ زوردار تھپڑ پڑا۔ وہ تلملا کر پیچھے ہٹی اور کہنے لگی۔ ''ہے

بھگوان.... تمہیں تو بہت زیادہ چڑھ گئی ہے۔''

''تمہیں بھی تو چڑھ گئی تھی نا! اقتدار کا نشہ دنیا کے سارے نشوں سے زیادہ تیز ہوتا ہے۔'' رمیش چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

'دم...... میں جا...... جا رہی ہوں، امرتا...... امرتا کے پاس سوؤں گی۔''

''نہیں، تم یہیں سوؤ گی!'' رمیش بدستور سخت آواز میں کہنے لگا۔ اُس نے سلوچنا کو بستر پر دھکا دے دیا اور کہا۔ ''ذرا بھی آواز نکلی تو گلا دبا دوں گا۔''

سلوچنا ڈری سہی چپ چاپ بستر پر پڑی رہی۔ رمیش نے بڑی مشکل سے اپنا کوٹ اُتارا اس کے بعد وہ بھی بستر پر لڑھک گیا۔ ذرا دیر بعد ہی کمرے میں اُس کے خراٹے گونج رہے تھے۔ سلوچنا نے اُس کی طرف دیکھا اور دھیرے سے اُٹھی۔ پہلے اُس نے رمیش کی نبض دیکھی اور دھڑکن چیک کی، اس کے بعد قمیض پتلون کے اندر سے نکالی، پھر بیلٹ ڈھیلی کرنے لگی۔ بستر سے اتر کر اُس نے موزے اور جوتے اتارے۔ اچانک وہ رمیش کے پیروں کے پاس نیچے بیٹھ گئی اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

چند لمحے گزرے تھے کہ کپڑوں کی سرسراہٹ سنائی دی۔ سلوچنا نے مڑ کر دیکھا تو امرتا نظر آئی۔

''ماں! کیا بات ہے؟ کیا ہوا ہے ڈیڈی کو؟'' امرتا نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

''جو کچھ بھی ہو رہا ہے، تیری وجہ سے ہے۔'' سلوچنا نے بھرائی ہوئی آواز پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ ''چلی جا میرے سامنے سے۔''

✿......✿
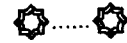
رمیش کی آنکھ کھلی تو دن نکل چکا تھا۔ سورج کی تیز روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اُس کا سر بھاری ہو رہا تھا اور آنکھوں میں جلن سی تھی۔ وہ اُٹھا اور تولیا ہاتھ میں لے کر باہر نکلا۔ راستے میں اُسے امرتا نظر آئی۔ رمیش کو دیکھتے ہی امرتا کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ جلدی سے پلٹ کر اندر کی طرف بھاگی۔ رمیش نے امرتا کے کندھے پر لٹکا ہوا بیگ دیکھ لیا تھا۔ وہ سیدھا باتھ رُوم میں چلا گیا۔

اسی وقت سلوچنا کچن میں سے نکلی اور اندر والے کمرے میں گئی۔ اندر امرتا

کندھے پر بیگ لٹکائے شش و پنج کے عالم میں کھڑی تھی۔

''ارے کمبخت! اب بھی اپنا ارادہ بدل دے۔'' سلوچنا نے سرگوشی کی۔

''اگر کشور نے مجھے چھوڑ دیا ماں تو کیا تمہیں خوشی ہو گی؟'' امرتا نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''اب تو اس کے ساتھ میرے پھیرے بھی ہو چکے ہیں۔''

''یہ ٹھیک ہے، مگر میں کہتی ہوں کہ......''

''ماں!'' امرتا بول اٹھی۔ ''کشور کے ساتھ اگر میرے پھیرے نہ ہوتے اور وہ مجھے چھوڑ دیتا تو میں صبر کر لیتی۔ ڈیڈی کو معلوم ہو ہی چکا ہے...... تم ہی نے تو کہا تھا کہ ڈیڈی کو سنبھال لو گی، اب کیا ہو گیا؟'' یہ کہہ کر امرتا اپنی ماں کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''انہوں نے اس بارے میں اب تک مجھ سے کچھ نہیں پوچھا۔'' سلوچنا بولی۔

''تو کیا ہوا؟''

''مجھے اسی وجہ سے تو ڈر لگ رہا ہے۔'' سلوچنا نے بتایا۔

''اب تمہیں ڈر لگ رہا ہے، کمال ہے۔'' امرتا نے کہا۔ ''اگر تم اس وقت میرا حوصلہ نہ بڑھاتیں تو میں اتنا بڑا قدم نہ اٹھاتی۔''

''ہے بھگوان، میں کیا کروں؟'' سلوچنا کی آواز میں بے بسی تھی۔

''ماں! تمہیں یہ سب تو پہلے سوچنا چاہئے تھا۔ میں تو خیر نا سمجھ ہوں، تم کو سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کرنا تھا۔'' امرتا ناگواری سے بولی۔

''یہ سب اس بے وقوف انوپ کا کیا دھرا ہے۔'' سلوچنا کے لہجے میں پچھتاوا تھا۔ ''نہ وہ تیرے ڈیڈی کے سامنے زبان کھولتا نہ انہیں کچھ خبر ہوتی۔''

''اس کا کیا قصور ہے ماں! تمہیں تو پتہ ہے کہ ذہنی طور پر ابھی وہ بچہ ہے۔ پھر یہ کہ ایک نہ ایک دن تو ڈیڈی کو یہ بات معلوم ہوتی ہی۔'' امرتا کہنے لگی۔ سلوچنا آہستہ سے بستر پر بیٹھ گئی۔ ذرا توقف کے بعد امرتا نے اُسے پھر مخاطب کیا۔ ''بتاؤ نا ماں! کشور میری راہ تک رہا ہو گا۔ اگر وہ لوٹ گیا تو غضب ہو جائے گا۔''

سلوچنا نے ٹھنڈا سانس بھرا اور آہستہ سے بولی۔ ''اب جو بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔''

امرتا دبے پاؤں باہر نکلی۔ سلوچنا نے نہایت احتیاط سے دروازہ بند کر دیا اور کچن

میں چلی گئی۔

رمیش نہا دھو کر باہر نکلا اور کپڑے بدل کر تیار ہو گیا۔ سلوچنا ناشتہ لے کر آ گئی اور رمیش سے مخاطب ہوئی۔ ”آج تو اتوار ہے نا۔ آج بھی کہیں جانا ہے؟“

”کیوں، کیا تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے؟“ رمیش نے سوال کیا۔

”کل رات تمہیں کس نے پلا دی تھی؟“ سلوچنا نے پوچھا۔

”دیویانی مل گئی تھی۔“ رمیش نے بتایا۔

”کیا؟“ سلوچنا حیران سی رہ گئی۔ ”وہ...... وہ بڑھیا...... اُس چڑیل نے تمہیں پلائی تھی؟“

”تو اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے؟“

”تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ گھر میں جوان بچے ہیں۔“

”جوان بچے!“ رمیش تلخی سے ہنسا۔ ”اب تو وہ بہت بڑے اور سمجھدار ہو گئے ہیں بلکہ ماں کی شہ پر خود بھی پینے لگے ہیں۔ وہ تو خود برا بھلا سمجھتے ہیں۔ مجھے یقین تھا کہ اگر انہوں نے مجھے شراب پیتے دیکھ بھی لیا تو ان کے لئے یہ بات تعجب خیز نہیں ہو گی۔ اگر شراب بری ہے تو امرتا کے لئے بھی اچھی نہیں ہو جائے گی۔“

”تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو آج؟“

”کیا تمہیں نہیں معلوم کہ امرتا پی کر آئی تھی اُس روز جب میرے ہاتھوں پٹی تھی۔“

”معلوم ہے۔ لیکن شراب کو تمہی برا کہتے رہے ہو، پھر خود کیوں پی لی، وہ بھی برسوں کے بعد؟“ سلوچنا خفگی کا اظہار کرنے لگی۔ ”اور وہ بڑھیا دیویانی اس عمر میں بھی تمہارے پیچھے لگ گئی۔ شرم نہیں آئی اُسے۔“ سلوچنا، دیویانی کو برا کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے لگی۔

”دیویانی بڑھیا نہیں ہے بلکہ سو جوانوں کی ایک جوان ہے۔“ رمیش نے دانستہ یہ بات کہی۔

”بے غیرت، اپنے شوہر کے ہوتے بھی دوسرے کے شوہروں کو......“

”عورت اور مرد کے درمیان صرف ایک ہی رشتہ یا تعلق نہیں ہوتا۔“ رمیش نے بات کاٹ دی۔ ”وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست بھی تو ہو سکتے ہیں۔“

”لیکن وہ...... وہ تو تمہاری محبوبہ رہ چکی ہے۔“ سلوچنا طنزیہ لہجے میں کہنے لگی۔

”تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“

”شادی کیوں نہیں کر لیتے اس سے؟“

”یہی دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ساتھ کب تک نبھتی ہے۔“ یہ کہہ کر رمیش ناشتہ کرنے لگا۔

سلوچنا کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک رنگ جا رہا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ پھر بولی۔ ”سنا تھا تمہی سے کہ دیویانی بہت دولت مند باپ کی بیٹی ہے۔ اگر اس کے پاس اتنا پیسہ ہے تو اس سے دو چار لاکھ قرض لے لو، تمہیں تو وہ منع کر ہی نہیں سکتی۔“

”کس کے لئے قرض لے لوں......؟ تمہاری بہن کے لئے اور ان کی نالائق اولادوں کی خاطر مقروض ہو جاؤں میں؟“ رمیش نے طنز کیا۔

”بس پہنچ گئے نا میری بہن تک۔ ان کی اولادوں کو بھی برا کہنے لگے۔ یہ بھی سوچا کبھی کہ تمہارے آگے بھی اولاد ہے۔“ سلوچنا چڑ کر بولی۔ ”کیا تمہیں کسی دن اپنی بیٹی کو وداع نہیں کرنا؟ کشور کا تعلق ایک بڑے گھرانے سے ہے، کچھ نہ کچھ دان جہیز ہمیں بھی دینا ہی پڑے گا۔ اس کے علاوہ انوپ بھی تو ہے، اُسے بھی تو کوئی دھندا یا کاروبار کرانا پڑے گا۔“

”انوپ کے لئے کیا سوچنا، اُسے تو تم چار پانچ سو روپے خرچ کر کے ٹھیلا لگوا سکتی ہو۔ اس بلڈنگ کے سامنے ہی چنے بیچنے لگے گا تو چار پیسے تمہارے ہاتھ پر لا کر رکھنے لگے گا۔ بلڈنگ والے اُسے جانتے پہچانتے ہیں، اسی سے چنے لیں گے۔ ابھی تو میرے پاس پانچ سو روپے موجود ہیں۔“ رمیش نے کہا۔

”تم جیسے باپ سے اور کیا امید ہو سکتی ہے۔ اپنی اولاد کو ٹھیلا ہی لگواؤ گے۔“ سلوچنا غصے سے بولی۔

”باپ تو ہوں میں اُس کا......! مگر چاہو تو یہ بھی کہہ سکتی ہو کہ میں اس کا باپ نہیں ہوں۔“ رمیش کے لہجے میں بلا کی چبھن تھی۔

”ہاں بس مجھ پر بدکرداری کا الزام لگانے ہی کی تو کمی رہ گئی تھی۔ تمہاری محبوبہ تو

یہی چاہتی ہو گی۔'' سلوچنا نے بھی بھرپور طنز کیا۔

رمیش نے اس بات کا سلوچنا کو کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ناشتہ کر کے اُٹھ کھڑا ہوا اور بیگ اٹھا کر کہنے لگا۔ ''اپنی بیٹی سے کہہ دینا کہ پیر کے دن کشور کو ضرور لے آئے۔ اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو پھر مجھے کچھ اور سوچنا پڑے گا۔'' پھر وہ سلوچنا کی مزید کوئی بات سنے فلیٹ سے باہر نکل آیا اور سیڑھیاں اُترنے لگا۔

اوپر سے سلوچنا نے آواز لگائی۔ ''رات کو دیر سے مت آنا۔''

رمیش دیر سے نہ آنے کی تاکید کا مطلب سمجھ گیا۔ سلوچنا کا مقصد یہ تھا کہ وہ دیویانی کے ساتھ وقت نہ گزارے۔ اس خیال سے رمیش کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ وہ نیچے پہنچے تو اجے کو دیکھا۔ وہ اوپر ہی جا رہا تھا۔ رمیش کو دیکھ کر اجے رُک گیا اور خوش اخلاقی سے بولا۔ ''گڈ مارننگ سر!''

جواب میں رمیش نے بھی ملنساری کا مظاہرہ کیا اور کہا۔ ''گڈ مارننگ...... ! نہ جانے کیوں تمہیں دیکھ کر میرا جی خوش ہو جاتا ہے۔''

''شکریہ..... میں آپ ہی کے پاس آ رہا تھا۔'' اجے نے بتایا۔

''کوئی خاص کام تھا کیا؟'' رمیش نے دریافت کیا۔

''اس اتوار کو میرے پتا جی آ رہے ہیں۔ میری اور ششی کی سگائی ہو رہی ہے۔ میں نے سوچا، سب سے پہلے آپ ہی کو دعوت دوں۔'' اجے نے جواب دیا۔

''مبارک ہو بیٹے! یہ تو تم نے مجھے بہت خوشی کی خبر سنائی ہے۔ مجھے تو تم دونوں کی جوڑی شروع ہی سے پسند تھی۔''

''شکریہ سر! مہمانوں میں سب سے پہلے میں آپ ہی کا آشیرواد لوں گا۔'' اجے پُرخلوص آواز میں بولا۔

''بیٹے! میرا آشیرواد تو اس وقت بھی تمہارے ساتھ ہے۔ میری دُعا ہے تم اگلے جنم میں میرے بیٹے بنو۔''

''سر! مجھے تو آپ اب بھی اپنا بیٹا ہی سمجھئے۔ اگر کبھی کوئی کام ہو تو آدھی رات کو بھی حاضر ہوں۔''

رمیش نے بھی اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''جیتے رہو بیٹے! بھگوان تمہیں

سدا خوش رکھے۔''

ایک بار پھر رمیش کا شکریہ ادا کر کے اجے واپس اپنے فلیٹ کی طرف چلا گیا۔

جانکی داس اس وقت باہر جا رہا تھا۔ اُس نے اجے کو دیکھا تو بولا۔ ''میں اپنے جاننے والوں اور دوستوں کو دعوت دینے جا رہا ہوں۔''

''بابو جی! آپ کہیں تو میں بھی ساتھ چلوں؟'' اجے نے معلوم کیا۔

''نہیں بیٹے! گھر میں بھی تو بہت کام ہے۔ ششی بھی اپنی سہیلیوں کو دعوت دینے جا رہی ہے۔ تم اپنی آنٹی کا ہاتھ بٹاؤ۔'' جانکی داس نے کہا۔

اجے نے اقرار میں سر ہلا دیا۔ جانکی داس چلا گیا۔ اجے فلیٹ میں داخل ہوا تو دروازے ہی میں ششی مل گئی۔ اُس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جس پر سہیلیوں کے نام لکھے تھے۔ اجے مسکراتے ہوئے اُس سے مخاطب ہوا۔ ''اپنی سہیلیوں کو خود ہی دعوت دینے جا رہی ہو کہ تمہاری سگائی ہو رہی ہے۔''

یہ سن کر ششی کے چہرے پر حیا کی سرخی چھا گئی اور باہر نکل گئی۔ اجے نے دروازہ بند کیا اور ڈرائنگ رُوم میں آ گیا۔ میز پر دعوت نامے اور لفافے رکھے تھے، انہی کے قریب ایک فہرست رکھی تھی۔ اجے نے قلم نکالا اور فہرست میں نام دیکھ دیکھ کر لفافوں پر لکھنے لگا۔

''ذرا ادھر آنا!'' لکشمی نے آواز دی۔

اجے اُٹھ کر اندر والے کمرے میں پہنچا اور لکشمی سے مخاطب ہوا۔ ''جی آنٹی؟''

''روپوں کا انتظام ہو گیا؟'' لکشمی نے سوال کیا۔

''جی آنٹی! میں نے دو ہزار روپے انکل کو دے دیئے ہیں۔'' اجے نے جواباً بتایا۔

''اور وہ جو میں نے تم سے کہا تھا؟'' لکشمی نے یاد دہانی کرائی۔

''ہاں دو ہزار روپے میں نے الگ رکھ لئے تھے۔'' اجے نے یہ کہہ کر اپنی پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور پانچ پانچ سو روپے کے دو نوٹ نکال کر لکشمی کی طرف بڑھا دیئے۔ لکشمی مسکرا کر کہنے لگی۔ ''تمہارے آنے سے اس گھر میں بہت سے مسائل حل ہو گئے ہیں۔ اب مجھے گھر گھر جا کر نمک، مرچ، آٹا وغیرہ نہیں مانگنا پڑتا۔''

''اگر میں کسی ہاسٹل میں رہتا تو وہاں کچھ زیادہ ہی خرچ ہو جاتا۔''

"ایک سب سے بڑا مسئلہ تو تمہارے یہاں رہنے سے یہ حل ہو گیا کہ اب ششی کے پتا جی شراب پی کر مجھے نہیں مارتے۔" لکشمی نے کہا۔ "لیکن زبان سے اب بھی زخمی کر دیتے ہیں۔ وہ جو کسی نے کہا ہے کہ تلوار کا زخم بھر جاتا ہے مگر زبان کا گھاؤ نہیں بھرتا، بالکل ٹھیک کہا ہے۔ رات ہی کو وہ شراب پی کر ایک پڑوسی نوجوان سریندر کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ اب تو اس کی وجہ سے میرا جی اچھی طرح بہل جاتا ہوگا۔"

سریندر کو اجے بھی جانتا تھا۔ وہ پڑوس میں رہنے والے گرودھر کا بھانجا تھا اور گزشتہ مہینے ہی بمبئی آیا تھا۔ اُسے فلموں میں کام کرنے کا بہت شوق تھا۔ اسی وجہ سے اپنے شہر کانپور میں اُس کا جی نہیں لگا۔ وہ ہر وقت خود کو ہیرو کی طرح پوز کرتا رہتا تھا۔ باپ پیسے والا تھا اس لئے لباس اور رکھ رکھاؤ پر رقم خرچ کرتے ہوئے سریندر جھجکتا نہیں تھا۔ جانکی داس نے ایک مرتبہ لکشمی کو اسی سے بات کرتے دیکھ لیا تھا۔ اسی دن سے اُس نے لکشمی پر الزام تراشی شروع کر دی تھی۔

اجے کو یہ ساری باتیں لکشمی سے سن کر حیرت ہوئی اور بولا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں آنٹی......؟ انکل یہ نہیں دیکھتے کہ وہ عمر میں آپ سے کتنا چھوٹا ہے۔"

"یہی تو مسئلہ ہے اجے! اب اگر میں اپنی عمر سے کم لگتی ہوں، جوان بیٹی کی ماں ہو کر بھی جوان نظر آتی ہوں تو بھلا اس میں میرا کیا قصور ہے۔ رہا سریندر کا معاملہ تو وہ ہر ایک سے اسی طرح ہنس کے اور خوش اخلاقی سے بات کرتا ہے۔ تم نے بھی اُسے دیکھا ہوگا۔"

"ہاں آنٹی، دیکھا ہے۔" اجے بولا۔ "بس اس کی خود پسندی اچھی نہیں لگتی۔ مگر انکل اس سے آپ کا تعلق کیوں جوڑتے ہیں؟"

"یہ میری ہی بھول کا نتیجہ ہے۔" لکشمی نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ "میں بھولی تھی، اُن کی باتوں میں آ گئی۔" پھر اجے کی وضاحت طلبی کے بعد وہ بتانے لگی۔ "شادی کی رات کو انہوں نے بڑے پیار بھرے لہجے میں مجھ سے کہا تھا کہ ہر عورت کی زندگی میں ایک مرد اور ہر مرد کی زندگی میں ایک عورت ضرور آتی ہے اس لئے میری زندگی میں بھی کوئی نہ کوئی مرد ضرور آیا ہوگا۔ وہ مجھ سے بڑی محبت کے ساتھ اس مرد کے بارے میں پوچھ رہے تھے جو میری زندگی میں ان سے پہلے آیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں انہیں

بتا بیٹھی کہ ایک مرد سے پیار کیا تھا۔ اس پر وہ بولے کہ اس مرد نے تمہیں چھوا بھی ہوگا، ہاتھ بھی لگایا ہوگا......! پھر میں نے لاکھ قسمیں کھائیں کہ میری محبت یک طرفہ تھی، مگر انہوں نے یقین نہیں کیا۔ وہ تو ہر آنے جانے والے تک کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ تمہیں کیسے بتاؤں کہ جب انہوں نے پہلی بار میرے کردار پر شک کیا تو مجھے کتنا دُکھ ہوا۔ شراب پی کر تو وہ مجھے صاف صاف بدکردار ہونے کے طعنے دیتے ہیں اور مارتے ہیں۔ مجھے برسوں ہو گئے یہ ستم سہتے ہوئے۔" لکشمی کی آواز یہ کہتے ہوئے بھرا گئی۔

اجے سناٹے میں کھڑا رہ گیا۔

لکشمی کچھ توقف کے بعد آنسو پونچھ کر رندھے ہوئے گلے سے کہنے لگی۔ "جس روز تم آئے تھے میرا حال اپنی آنکھوں سے دیکھ ہی لیا تھا۔ عاجز آ گئی ہوں میں الزامات سنتے سنتے۔ وہ تو اُس روز تم نے مجھے بچا لیا ورنہ تمہارے انکل میری جان ہی لے لیتے۔ اس دن انہیں تمہاری قوت کا اندازہ ہو گیا تھا اس لئے تمہارے سامنے مجھ سے کچھ نہیں کہتے اور چپ رہتے ہیں۔ مگر تم نہیں ہوتے تو میری جان عذاب کئے رہتے ہیں۔"

"انکل کو آپ پیار سے سمجھاتی کیوں نہیں؟" اجے نے گویا مشورہ دیا۔

"ایک بار نہیں، انہیں میں نے بار بار اپنی وفا اور پاک دامنی کا یقین دلایا ہے لیکن ان پر اُلٹا ہی اثر ہوتا ہے۔ میں انہیں جس قدر یقین دلاتی ہوں کہ زندگی میں کبھی میرے قدموں میں لغزش نہیں ہوئی، وہ اتنا ہی مجھ پر شک کرتے ہیں اور......" لکشمی کی آنکھوں سے آنسو پھر بہنے لگے۔

"آنٹی! رونے سے کچھ نہیں ہوگا۔" اجے نے کہا۔ "اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکالنا ہوگا۔"

"میں اس کا حل نکال چکی ہوں اور اب اس پر عمل کرنے والی ہوں۔ میں دراصل س وقت تنہائی میں یہی بتانا چاہتی تھی۔"

"حل......! آپ نے مسئلے کا حل ڈھونڈ لیا؟" اجے کی آواز میں حیرت تھی۔

"ہاں۔" لکشمی نے اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "ابھی تک تمہارے انکل کا

واسطہ ایک سیدھی سادھی بیوی سے پڑا ہے، انہیں یہ نہیں معلوم کہ اگر عورت کی عزت نفس کو گھڑی گھڑی چرکے لگائے جائیں، اس پر الزام تراشیاں ہوں تو...... تو وہ ان کا بدلہ بھی لے سکتی ہے، ایسا بھیانک بدلہ جس کا تصور......"

تو آپ...... انکل سے بدلہ لیں گی؟" اجے حیران سا ہو کر بولا، پھر پوچھا۔ "مگر کس طرح؟ کیسے بدلہ لیں گی اُن سے؟"

"وہ مجھ پر جس بات کا شک کرتے ہیں، میں...... میں اسے حقیقت کر کے دکھا دوں گی۔" لکشمی پُرعزم آواز میں بولی۔

"آپ کو شاید احساس نہیں کہ...... کیا...... کیا کہہ رہی ہیں۔" اجے رُک رُک کر بولا۔

"میں سب جانتی ہوں، بچی نہیں ہوں۔ تمہارے انکل سے انتقام لینے کے لئے میں نے سریندر کو منتخب کرلیا ہے۔"

"بھگوان کے لئے چپ ہو جائیں آنٹی!" اجے نے لکشمی کی بات کاٹ دی۔ "کیا آپ کو ذرا خیال نہیں کہ اپنے ہونے والے داماد سے ایسی باتیں کر رہی ہیں۔"

"مگر کیوں؟ تم نے یہ بھی نہیں سوچا؟"

"مجھے یہ سوچنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو میں اپنی ماں کی طرح سمجھتا ہوں۔"

"اسی لئے تو میں نے تمہیں پہلے ہی سب کچھ بتا دیا ہے کہ جب حقیقت جانو تو صدمہ نہ ہو۔" لکشمی بول اُٹھی۔ "مگر میں تم سے اس ہونے والے رشتے کے ناتے اتنا ضرور چاہوں گی کہ ان باتوں کا ذکر ششی سے نہ کرنا۔ وعدہ کرو مجھ سے۔"

"جو ہونا ہی نہیں، اس کا وعدہ کیسا۔ مجھے پورا بھروسہ ہے کہ ایسا کچھ بھی اور کبھی نہیں ہوگا جو آپ نے کہا ہے۔"

لکشمی پھر کچھ نہیں بولی۔ اُس کے ہونٹوں پر عجیب سی پراسرار مسکراہٹ تھی جبکہ آنکھوں میں اب بھی آنسو تیر رہے تھے۔

۞......۞

رات کو تقریباً ایک بجے رمیش نے اپنے فلیٹ کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔

"اتنی دیر لگا دی تم نے امرتا!" دروازہ کھولتے ہوئے سلوچنا کہنے لگی۔ "وہ تو اچھا ہے کہ ابھی تمہارے ڈیڈی نہیں......" پھر جیسے ہی اُس کی نظر رمیش پر پڑی تو اپنی بات پوری نہ کرسکی۔ اُس کے چہرے سے فکرمندی کا اظہار ہونے لگا تھا۔

رمیش کا دماغ جیسے بھک سے اُڑ گیا۔ اُس نے اندر گھستے ہوئے کہا۔ "تو ابھی تک نہیں آئی تمہاری لاڈلی؟"

"آ جائے گی۔" سلوچنا سنبھل کر بولی۔ "فکر کی کوئی بات نہیں۔ اُس کی سہیلیاں ساتھ ہیں...... مگر تم آج پھر پی کر آئے ہو!" وہ دروازہ بھیڑنے لگی۔

اس سے پہلے کہ رمیش کچھ کہتا دروازے کے باہر سے آواز آئی۔ "ماں!" یہ امرتا کی آواز تھی۔

رمیش نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ سیدھا ڈرائنگ رُوم میں چلا گیا۔ باپ کو دیکھ کر امرتا کا چہرہ فق ہو گیا۔

"اتنی دیر کہاں لگا دی؟" سلوچنا نے امرتا سے بلند آواز میں پوچھا۔

"بس خراب ہوگئی تھی ماں! وہ تو اتفاق سے آج کشور بھی پونا گیا تھا، واپسی میں اُس نے مجھے یہاں تک چھوڑا ہے۔" امرتا نے بتایا۔

"بھگوان نے دیا کی، میں تو پریشان ہو رہی تھی کہ تمہیں کہاں اتنی دیر ہوگئی۔" سلوچنا کہنے لگی۔

"اس میں پریشانی والی کیا بات ہے؟" امرتا بولی۔ "میں کوئی پہلی بار تو نہیں گئی، پہلے بھی کئی مرتبہ پکنک پر جا چکی ہوں۔"

رمیش نے یہ بات سنی تو خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ وہ اندر کمرے میں کپڑے بدل رہا تھا۔

سلوچنا کی آواز آئی۔ "کل آئے گا نا کشور تیرے ڈیڈی سے ملنے کے لئے؟"

"اُس نے دس گیارہ بجے تک آنے کو کہا ہے، مگر اُسے دیر بھی ہو سکتی ہے۔ اُسے اپنے پاپا کے ساتھ کسی کام سے جانا ہے۔" امرتا نے جواب دیا۔

"تو تھک گئی ہوگی، میں تیرے لئے کافی بناتی ہوں۔"

"نہیں ماں، کافی تو میں نے راستے میں پی لی تھی۔ اب تو سوؤں گی، بہت زور کی

نیند آ رہی ہے۔"

کچھ دیر سرگوشیاں سنائی دیں، پھر سلوچنا کمرے میں آ کر رمیش سے مخاطب ہوئی۔

"سو گئے کیا؟"

"کوئی کام ہے؟" رمیش نے پوچھا۔ وہ کپڑے بدل کر بستر پر لیٹ چکا تھا۔ سلوچنا نے اُس سے کھانے کے لئے کہا تو وہ فوراً بولا۔ "دیویانی کے ساتھ کھانا کھا لیا تھا۔" یہ کہہ کر اُس نے اپنی آنکھوں پر کلائی رکھ لی۔ سلوچنا کچھ دیر تک کھڑی اُسے دیکھتی رہی، پھر بستر پر بیٹھ کر اُس کی ٹانگیں دبانے لگی۔

❁......❁
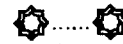
انوپ آنکھوں سے دُور بین لگائے بالکنی میں کھڑا حسب معمول نیچے دیکھ رہا تھا۔ اچانک کشور کی شاندار چمچماتی کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ انوپ چونک کر اپنی عادت کے مطابق بڑبڑانے لگا۔ "کہیں اس کار میں دہشت گرد تو نہیں آ گئے؟"

کشور کی کار کو سبھی دیکھ رہے تھے۔ اُس نے کار ایک جگہ روکی اور پھر نیچے اُتر کر دروازہ بند کرنے لگا۔ اُس کے جسم پر ٹی شرٹ اور بہترین جینز تھی۔ وہ اِدھر اُدھر اس طرح نظریں دوڑانے لگا جیسے اُسے کسی کی تلاش ہو۔ اُس نے ایک آدمی سے کچھ پوچھا۔

"وہ اُدھر ہے۔" اُس آدمی نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کر دیا۔

کشور نے اُس آدمی کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا اور آگے بڑھ گیا۔

"ارے یہ تو اسی طرف آ رہا ہے۔" انوپ کے چہرے سے گھبراہٹ کا اظہار ہونے لگا۔ پھر وہ اپنی ماں کو آوازیں دینے لگا۔ "دیکھو ہمارے ہاں کوئی آ رہا ہے۔"

امرتا تو پہلے سے کشور کی منتظر تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ اُس کے بے وقوف بھائی نے کشور ہی کو آتے دیکھا ہوگا۔ پھر بھی تصدیق کی خاطر دوڑ کر وہ بالکنی میں پہنچ گئی۔ اُس کی نظر کشور پر پڑی تو اوپر ہی سے ہاتھ ہلا کر کشور کو آواز لگائی۔ کشور نے بھی اوپر کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔

"ٹھہرو، میں نیچے آ رہی ہوں۔" امرتا زور سے بولی۔ پھر اُس نے اپنی ماں کو بھی کشور کی آمد سے آگاہ کیا۔

"اچھا......؟" سلوچنا کھل اُٹھی۔ "کہاں ہے؟"

"نیچے ہیں، میں اُنہیں لینے جا رہی ہوں۔" امرتا نے کہا۔ پھر وہ دوڑتی ہوئی نیچے چلی گئی۔

کشور ابھی تک اپنی کار سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔ پوری بلڈنگ کی بالکنیوں میں عورتوں، مردوں اور خاص طور پر نوجوان لڑکیوں کا جمگھٹا لگا ہوا تھا۔ اس وقت امرتا خود کو بے حد خوش نصیب محسوس کر رہی تھی۔ اُس کا سینہ فخر سے پھولا ہوا تھا۔ وہ دوڑتی ہوئی کشور کے پاس پہنچی اور اُس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

"اوہ مائی گاڈ! میں کتنی بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

اُسی وقت اوپر سے کسی عورت نے بلند آواز میں پوچھا۔ "امرتا! کون ہے یہ؟"

"آنٹی! ہونے والا وہ......"

"پھر تو ہر طرف چہ میگوئیاں شروع ہونے لگیں۔ کشور نے امرتا سے دھیمی آواز میں کہا۔ "اس پبلسٹی کی کیا ضرورت تھی؟"

جواب میں امرتا صرف ہنس دی۔ کشور کو لئے وہ بلاک کے پاس آئی تو اُسے ششی نظر آئی۔ مسکرا کر بولی۔ "مبارک ہو امرتا!"

امرتا نے ششی کا شکریہ ادا کیا اور پھر کشور کو بتایا۔ "میرے بچپن کی سہیلی ہے، ششی نام ہے۔"

کشور نے مسکرا کر ششی کو دیکھا اور پھر امرتا کے ساتھ سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے بولا۔ "ارے تم اتنی گندی جگہ کیسے رہ لیتی ہو؟"

یہ سن کر امرتا کو یوں لگا جیسے کشور نے اُس کی توہین کر دی ہو۔ اُس کے دل میں چوٹ سی لگی۔ اس نے سوچا، ابتدا ہی میں کشور کا یہ حال ہے تو آگے چل کر کیا ہوگا؟ کیسے نبھے گی؟ کہیں میں نے کشور کا انتخاب کر کے غلطی تو نہیں کی؟ کسی نے اُس کے اندر سے جواب دیا۔ ہاں امرتا! تم نے غلطی کی ہے۔

❁......❁

امرتا کو خاموش دیکھ کر کشور نے اُس سے پوچھا۔ ''کیا ہوا، تم ایک دم چپ کیوں ہو گئیں؟''

خود پر قابو پاتے ہوئے امرتا نے جواب دیا۔ ''کوئی...... کوئی بات نہیں۔'' پھر کشور کو مطمئن کرنے کے لئے وہ زبردستی مسکرا دی۔

کشور کو امرتا کے جذبات کا علم نہیں تھا، وہ اسی لئے کہنے لگا۔ ''کس قدر گھٹن ہے یہاں۔ اسی وجہ سے تو ایسے گھروں میں رہنے والوں کی صحت خراب رہتی ہے۔ ایسی جگہوں پر رہنے والوں کی سوچ بھی بہت محدود ہوتی ہے۔''

''کیا میری سوچ بھی محدود ہے؟'' امرتا نے سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

''ارے نہیں!...... تمہاری بات الگ ہے، لعل تو گدڑی میں بھی لعل ہی رہتا ہے نا!'' کشور یہ کہتے ہوئے مسکرایا۔ ''اور گدڑی کے اس لعل کو بھگوان نے میرے ہی لئے اس دھرتی پر اتارا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے کشور نے امرتا کے چہرے کا جائزہ لیا۔

امرتا جیسی لڑکیاں خود ہی بے وقوف بنتی ہیں۔ صنفِ مخالف کی ذرا سی تعریف سن کر وہ کھل اُٹھتی ہیں۔ ذرا ہی دیر پہلے امرتا کے دل میں کشور کے لئے جو شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تھے، وہ نہیں رہے۔ کشور نے امرتا سے اُس کے باپ کے بارے میں پوچھا تو وہ بولی۔ ''ڈیڈی چار بجے تک آ جائیں گے۔''

وہ دونوں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچے تو سلوچنا اور انوپ دروازے ہی پر کھڑے تھے۔ سلوچنا نے آگے بڑھ کر اُس کی آرتی اُتاری۔

کشور نے اس طرح منہ بنایا جیسے چراغ کی لو اُسے ناگوار گزری ہو۔ اندر پہنچتے ہی کشور بولا۔ ''اوہ گاڈ! یہاں کس قدر حبس ہے۔''

''اُدھر امرتا کے کمرے میں آ جاؤ۔'' سلوچنا نے کہا۔ ''وہاں دو کھڑکیاں ہیں، ہوا

کا گزر بھی ہے۔''

کشور کمرے میں پہنچا تو انوپ بھی اُس کے پیچھے وہیں آ گیا۔ امرتا تو وہاں تھی ہی۔ کشور نے انوپ کو مخاطب کیا۔ ''یہ بتاؤ سکسر کسے کہتے ہیں؟''

''جو بال، باؤنڈری کراس کر جائے اور زمین پر نہ لگے...... آپ کو نہیں پتہ، مجھے کرکٹ کھیلنی بھی آتی ہے۔'' انوپ اس وقت بالکل بچہ لگ رہا تھا۔

''معلوم ہے مجھے، سب معلوم ہے تمہارے بارے میں۔ تم مجھے بہت ذہین معلوم ہوتے ہو......''

''وہ تو میں ہوں۔'' انوپ بول اٹھا۔

''میں نے اسی وجہ سے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں چرچ گیٹ پر دفتر کھلوا دوں، مگر اس سے پہلے تمہارے لئے پرائیویٹ سراغ رساں کا لائسنس لوں گا۔ اور ہاں...... میں تمہیں ایک بات تو بتانا بھول ہی گیا، تمہارے پاس ویسی ہی کار ہو گی جو فلموں کے ہیرو چلاتے ہیں۔'' کشور نے وہ ساری باتیں دُہرا دیں جن کا علم اُسے امرتا سے ہوا تھا۔

''اگر ایسا ہے تو یہ دیش ایک عظیم سراغ رساں سے محروم نہیں رہے گا۔'' انوپ کی گردن اکڑ گئی۔

''اور سنو! یہ کپڑے جو تم پہنے ہو، ان میں کوئی سراغ رساں لگنے کی بجائے تم جوکر لگ رہے ہو۔'' کشور نے کہا۔ ''جلد ہی تمہارے لئے پانچ چھ قیمتی سوٹ خرید دوں گا اور تمہیں ایک ریوالور کا لائسنس بھی دلوا دوں گا۔'' کشور یہ کہہ کر امرتا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''امرتا! میں تھک گیا ہوں، کچھ دیر آرام کروں گا۔ اس کے علاوہ تم سے کچھ ضروری باتیں بھی کرنی ہیں۔''

امرتا کے لئے اب ''ضروری باتوں'' کا مطلب سمجھنا دُشوار نہیں رہا تھا۔ وہ اسی لئے مسکرائی اور پھر انوپ کو مخاطب کیا۔ ''تم جاؤ انوپ! باہر ماں کی مدد کرو۔ وہ دوپہر کا کھانا پکا رہی ہیں۔ اُنہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو تم لا کر دے دینا۔''

انوپ خوش خوش کمرے سے نکل گیا تو امرتا نے دروازہ بند کر لیا۔ کچن میں آ کے انوپ نے سلوچنا کو وہ سبھی باتیں بتا دیں جو کشور نے اُس سے کی تھیں، پھر کہنے لگا۔

''اب تو مجھے جاسوس بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔''

''ارے دیکھتا رہ، کیا کیا کرتا ہے تیرا جیجا جی۔ گھر کا نقشہ ہی بدل ڈالے گا۔'' سلوچنا بولی۔ پھر اُس نے تلی ہوئی مچھلی پلیٹ میں رکھی اور کچن سے نکل کر اندر والے کمرے کی طرف بڑھی۔ کمرے کا دروازہ اُسے بند ملا تو وہ مسکرا کے لوٹ آئی۔

''لاؤ ماں، میں کھانا دے کر آتا ہوں اُنہیں۔'' انوپ نے کہا۔ ''ایسے جیجا جی کے تو جوتوں کے فیتے بھی باندھ سکتا ہوں میں۔''

وہ دونوں کچھ ضروری باتیں کر رہے ہیں۔ تو جب تک بازار جا کر انڈے لے آ۔'' سلوچنا نے یہ کہہ کر انوپ کو روپے دیئے۔ انوپ چلا گیا تو وہ پھر کھانا پکانے لگی۔

انوپ دروازہ بند کر کے نہیں گیا تھا اس لئے اچانک رمیش کو اندر آتے دیکھ کر سلوچنا چونک اُٹھی۔ اُس کا خون خشک ہو گیا۔ وہ اب کچن کے باہر کھڑی تھی۔

''نیچے شاید کشور کی کار کھڑی ہے؟'' رمیش نے سلوچنا سے تصدیق چاہی۔

''ہاں۔'' سلوچنا بڑی مشکل سے جواب دے سکی۔

''آ گیا وہ؟ کہاں ہے؟'' رمیش نے پوچھا۔

سلوچنا جلدی سے رمیش کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اندر لے گئی اور اُس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر خوشامدانہ لہجے میں کہنے لگی۔ ''بھگوان کے لئے ناراض نہ ہونا، چپ ہی رہنا! میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی، مجھ پر بھروسہ کرو۔''

''تم مجھے کیا سب کچھ بتاؤ گی، میں پہلے سے ساری بات جانتا ہوں، مگر رخصتی سے قبل یہ سب بے شرمی کیوں؟...... مجھے بھی تو پتہ چلے آخر کس لئے؟ تم جانتی ہو...... خوب جانتی ہو کہ اصل بات کیا ہے مگر لوگ تو نہیں جانتے نا۔ تم میرے گھر میں یہ کھیل کیوں کھیل رہی ہو؟'' رمیش کی آواز تیز ہونے لگی۔

''بھگوان کے لئے اپنی آواز دھیمی رکھو!'' سلوچنا نے رمیش کی ٹھوڑی میں ہاتھ ڈالا۔

''تم نے چوری چھپے پھیرے کرا دیئے، چلو ٹھیک ہے لیکن اگر اس وقت کوئی آ گیا تو میں کیا جواب دوں گا؟ کس کس کو سمجھاتا پھروں گا؟ اور...... اور اگر وہ...... وہ اُمید سے ہو گئی تو...... تو کیا ہو گا؟...... تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ ہم ایسی صورت میں کسی کو

منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔'' رمیش کی آواز سے دُکھ اور غصے کا بیک وقت اظہار ہو رہا تھا۔

''امرتا سمجھدار ہے، بچی نہیں ہے، اس بات کا خیال رکھے گی وہ۔'' سلوچنا بولی۔

''بے وقوف عورت! اگر رخصتی سے پہلے یہ سب ہوتا رہا اور اُس کا جی بھر گیا تو کیا وہ رخصتی پر آمادہ ہو گا؟''

''پھیرے کئے ہیں اُس نے۔ پیار کرتا ہے امرتا سے۔ کچھ بھی ہو، وہ رخصتی ضرور کرائے گا۔'' سلوچنا نے جواب دیا۔

''اگر ایسا ہی تھا تو پھر رخصتی سے پہلے کیوں چھوٹ دے دی دونوں کو؟''

''وہ دونوں قانوناً اور مذہباً میاں بیوی ہیں۔'' سلوچنا بحث کرنے لگی۔ ''اُس کے پھیرے مندر کے اندر پنڈت جی کی موجودگی میں ہوئے ہیں۔''

''لگن میں اُس وقت کتنے لوگ شریک تھے؟ تمہاری طرف سے اس شادی کی گواہی کون دے گا؟'' رمیش سوال پر سوال کرتا رہا۔

''پنڈت جی نے جو کاغذ بنایا ہے اس پر کشور کے دستخط بھی ہیں۔'' سلوچنا نے بتایا۔

''صرف کشور کے دستخط، کسی گواہ کے نہیں، نہ تمہاری جانب سے نہ کشور کی طرف سے۔ اگر اُس نے وہ سرٹیفکیٹ تسلیم نہ کیا تو؟''

''یہ ناممکن ہے۔'' سلوچنا نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ ''مجھے اور امرتا کو اُس پر پورا بھروسہ ہے۔''

''کم عقل عورت! تیرے پاس سمجھ نام کی کوئی چیز نہیں۔'' رمیش کو غصہ آنے لگا۔

''امرتا نادان ہے اور مجھے کشور پر بھروسہ نہیں۔ اگر کسی طرح کشور نے یہ مان بھی لیا کہ امرتا کے ساتھ اُس کے پھیرے ہوئے تھے تو وہ یہ نہیں مانے گا کہ رخصتی ہوئی ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ اُس نے امرتا سے پیار کیا تھا اس لئے پھیرے کر لئے، بعد میں جب اُسے پتہ چلا کہ لڑکی کا کردار اچھا نہیں تو وہ اُسے طلاق دینا چاہتا ہے۔''

''ہے بھگوان! کیوں ایسی منحوس باتیں زبان پر لاتے ہو!...... ارے اب تو اچھی اچھی باتیں منہ سے نکالو، داماد پہلی بار گھر آیا ہے۔ میں نے اُسے کھانے کے لئے

روک لیا ہے۔"

اُسی لمحے کچن کی طرف سے جلنے کی بو آئی تو سلوچنا جلدی سے بولی۔ "ہائے رام! جل گئی نا مچھلی۔" پھر وہ تیزی سے باہر چلی گئی۔

اُس وقت رمیش کا خون کھول رہا تھا۔ اُس کا جی چاہ رہا تھا کہ ابھی کمرے کا دروازہ کھلوا کر امرتا اور کشور، دونوں کو مار ڈالے۔ ساتھ ہی سلوچنا کو بھی ختم کر دے۔ مگر وہ بدنامی کے خیال سے خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔ وہ ماتھے پر کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد سلوچنا دوڑتی ہوئی اندر آئی اور دھیمی آواز میں بتایا۔ "وہ آ رہا ہے، بھگوان کے لئے خود کو قابو میں رکھنا!" یہ کہہ کر وہ واپس چلی گئی۔

پہلے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ پھر کشور اندر داخل ہوا۔ اُس کے چہرے پر نہ شرم تھی نہ ادب و احترام! وہ خاصا بے پرواہ نظر آ رہا تھا۔

"ہیلو ڈیڈی!" اُس نے آتے ہی کہا اور قریب آ کر بیٹھ گیا۔

"کیسے ہو؟"

"آئی ایم فائن۔ سنا ہے آپ کی طبیعت خراب رہنے لگی ہے۔"

"ہاں جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو اُن کی فکر میں باپ کی طبیعت اکثر خراب رہتی ہے۔ اینی وے، تمہارا رُخصتی کا پروگرام کب ہے؟" رمیش نے سوال کیا۔

"بتا چکا ہوں، لگ بھگ دو ڈھائی سال تو لگیں گے ہی۔ ایم بی اے کرنے کے بعد پاپا کی فیکٹری سنبھالوں گا۔"

"اپنے پاپا سے کب ملوا رہے ہو؟" رمیش نے دریافت کیا۔

"موقع ملتے ہی۔" کشور نے جواب دیا۔ "فی الحال تو پاپا چھ مہینے کے لئے ملک سے باہر جا رہے ہیں، ممی بھی اُن کے ساتھ ہی جائیں گی۔"

اُسی وقت سلوچنا کمرے میں آئی اور کشور سے مخاطب ہوئی۔ "تمہارا کھانا امرتا کے ساتھ اُدھر لگا ہے، چلو آؤ!"

"اوکے ڈیڈی! نائس ٹو میٹ یو اینڈ سی یو۔" کشور نے اٹھتے ہوئے کہا۔ پھر وہ کمرے سے چلا گیا۔ سلوچنا اُس کے ساتھ تھی۔

رمیش کے چہرے پر وحشت سی برس رہی تھی۔ اُس کا جی چاہ رہا تھا کہ اپنے کپڑے پھاڑ کر باہر نکل جائے۔ سلوچنا نے یہ تک نہیں پوچھا تھا کہ وہ پوری بات کر چکا یا نہیں۔

۞......۞

رمیش نے پتوں کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اُس کی کرسی کے ہتھے پر دیویانی نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "نو...... بلائنڈ۔" پھر وہ خود ہی "کاؤنٹر" ڈال کر بولی۔ "پچاس ہزار کی چال۔"

دو کھلاڑیوں نے یہ سنتے ہی اپنے اپنے پتے پھینک دیئے۔ تیسرے کھلاڑی نے ایک لاکھ روپے کے "کاؤنٹر" ڈال کر کہا۔ "شو!"

رمیش نے ایک ایک کر کے اپنے پتے کھولے تو سامنے والے کھلاڑی کا چہرہ بجھ سا گیا۔

"بس اب اُٹھ جاؤ!" دیویانی نے رمیش کو مخاطب کیا۔

پھر وہ لوگ اُٹھ گئے۔ دیویانی نے "کاؤنٹر" کیش کرائے اور رمیش کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے آگے بڑھ گئی۔

کچھ ہی دیر میں وہ دونوں کار میں آ کر بیٹھ گئے تو دیویانی مسکرا کر کہنے لگی۔ "اب بھی تقدیر کو مان لو! آج تم میرے شوہر کا بیمہ کئے بغیر ہی دس لاکھ روپے کے مالک بن گئے ہو۔ بولو، تمہیں اور کیا چاہئے؟...... یہ روپے تو تم نے کسی فراڈ کے ذریعے نہیں کمائے۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہتی ہو، مگر اب کل سے میں جوا نہیں کھیلوں گا۔" رمیش بولا۔

دیویانی نے کار اسٹارٹ کی اور پھر ہنستے ہوئے کہا۔ "شاید ہم دونوں ایک دوسرے کو کچھ زیادہ ہی سمجھنے لگے ہیں۔ میرا ٹارگٹ بھی یہی تھا کہ تم جس دن بھی دس لاکھ کے آدمی بن گئے اُس دن سے فلیش بند۔"

"دس لاکھ روپے بینک کے فکسڈ ڈپازٹ میں رکھنے سے مجھے خاصا منافع مل جائے گا۔" رمیش کہنے لگا۔

دیویانی نے سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے بھی کار کو قابو میں رکھا، پھر کش لگا کر

بولی۔ ”محدود ذہن سے نہ سوچو! میں نے دو بڑی بڑی کمپنیاں فائنل کی ہیں، اُن کے شیئرز خرید لو۔ آج کل دونوں کمپنیوں کی اُٹھان بہت اچھی ہے۔ لاکھ روپے مہینے کا سود تو کہیں نہیں گیا۔“

”یہ رسک والا کام ہے۔“ رمیش نے طویل سانس لیا۔ ”اب میں زندگی اور عمر کے اس موڑ پر آ گیا ہوں کہ کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔“

”ٹھیک ہے۔“ دیویانی بولی۔ ”میرے پاس ایک اور بہتر تجویز بھی ہے۔ میں تمہیں اپنے ڈیڈی کی فیکٹری دلوا سکتی ہوں۔“

”تمہارے ڈیڈی کی فیکٹری؟“ رمیش نے اظہار حیرت کیا۔

”ہاں نیلام ہو گئی تھی نا۔“ دیویانی نے بتایا۔ ”جس نے بھی اُسے چلانے کی کوشش کی اُسے نقصان ہی ہوا۔ آخری مالک نے پنڈت سے فال نکلوائی تو اس نے بتایا کہ اس فیکٹری کو اس کے مالک کی بددُعا لگی ہے۔ اُس کی روح اب بھی فیکٹری میں گھومتی رہتی ہے۔ اسے صرف وہ چلا سکتا ہے جس کے لئے مرنے والے کے دل میں پیار ہو۔“

”وہ تو بس تمہارے لئے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تم اُن کی بیٹی ہو، مگر تم نے میری طرح جوا کھیل کر یہ فیکٹری خود کیوں نہ خرید لی؟“

”میرے ساتھ ابھی تک ایک منحوس کا نصیب جڑا ہوا ہے۔ میں کبھی نہیں جیت سکتی۔ جیسے اگر تم اپنی بیوی کو ساتھ لے کر آتے تو کبھی نہ جیت پاتے۔ ہم دونوں کے پیار میں نہ تو کوئی کھوٹ ہے اور نہ لالچ، نہ ہوس۔ غرض تم اسی لئے میرے ساتھ آ کر جیتتے ہو۔ اسی طرح تم نے اگر فیکٹری خرید لی تو ضرور چلے گی۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ اگر میرے شوہر کی زندگی میں یہ فیکٹری میری ہو گئی تو وہ منحوس آدمی اس میں قدم ضرور رکھے گا۔“ دیویانی نے یہ کہہ کر ڈیش بورڈ سے شراب نکال کر اُس میں سے ایک بوتل رمیش کو تھما دی، پھر بولی۔ ”اینی وے، میں کل ہی فیکٹری خریدنے کی بات کر لوں گی۔ اُس میں تمام مشینری فٹ ہے۔ ضرورت پڑنے پر مشینری کے بدلے بینک سے قرض بھی لیا جا سکتا ہے۔ خیر...... یہ کام تو ہوتے رہیں گے، مگر کل میں تمہارا حلیہ ضرور بدلوں گی تا کہ تم بھی میری طرح نظر آؤ۔“

❁......❁

رمیش نے اپنی بلڈنگ کے کمپاؤنڈ میں قدم رکھا تو پوری عمارت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ خود کو سنبھالے ہوئے بڑی مشکل سے وہ اوپر پہنچا اور آہستگی سے دروازے پر دستک دی۔ خلاف توقع دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ رمیش کا ذہن جیسے ایک دم روشن ہو گیا۔ اُسے محسوس ہوا جیسے گھر میں کوئی نئی بات ہوئی ہے۔ سامنے سلوچنا کھڑی تھی۔ تیز نظروں سے سلوچنا کو گھورتے ہوئے اُس نے پوچھا۔ ”تم ابھی تک کیوں جاگ رہی ہو؟“ اچانک اُس کی نظر انوپ پر پڑی جو پیسیج میں گدا بچھائے سو رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں چھناکا سا ہوا۔ پھر اُس نے اندر والے کمرے کی طرف دیکھا جس کا دروازہ بند تھا۔ وہ سلوچنا سے مخاطب ہوا۔ ”یہ انوپ یہاں کیوں سو رہا ہے؟“

”تم اندر تو چلو! کیا دروازے ہی پر کھڑے سب کچھ پوچھ لو گے؟“ سلوچنا نے رمیش کا بازو تھاما اور دروازہ بند کر کے اُسے اندر لے آئی۔

رمیش کا سارا نشہ جیسے ہرن ہو گیا تھا۔

سلوچنا نے اُس کے قریب آ کر سرگوشی کی۔ ”وہ بے چارہ کشور آج بہت دُکھی تھا۔ اُس کے ماں باپ ولایت چلے گئے ہیں نا۔“

”اچھا تو وہ اپنا غم غلط کرنے یہاں آ گیا ہے؟“ رمیش چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

”اور کہاں جاتا۔“ سلوچنا نے جواب دیا۔ ”مرد کے دُکھ درد اُس کی عورت ہی تو بانٹتی ہے۔“

”بے وقوف عورت! اب بھی کچھ عقل سے کام لے لو۔ کیوں اپنی اچھی بھلی بیٹی کو بازاری عورت بنانے پر تُل گئی ہو، کیوں اس گھر کا تقدس پامال کر رہی ہو؟“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟...... کیا میاں بیوی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے؟“ سلوچنا بولی۔

”اگر واقعی وہ میاں بیوی ہوں۔“ رمیش نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔

”اُن دونوں کے پھیرے ہوئے ہیں مندر میں!...... یہ بات میں تمہیں اس سے پہلے بھی بتا چکی ہوں۔“

”رشتے کی بات چلے بغیر، مہورت نکلے بغیر؟...... یہ رشتہ اُس وقت تک سچا نہیں

مانا جائے گا جب تک کشور کے ماتا پتا اس پر رضامندی کا اظہار نہ کر دیں۔'' رمیش کہنے لگا۔ ''اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ کشور نے امرتا کا قرب حاصل کرنے کے لئے یہ ڈرامہ نہیں کیا یا وہ واقعی اُسے اپنی بیوی سمجھتا ہے۔ اگر...... بھگوان نہ کرے کشور کی نیت میں کھوٹ ہے تو یہ رشتہ، رشتہ ہی نہیں ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ سراسر گناہ ہے۔''

''مجھے تو لگتا ہے تمہیں رخصتی کے بعد بھی اُس کی نیت پر اعتبار نہیں آئے گا، مگر مجھے اور امرتا کو اُس پر مکمل اعتماد ہے۔''

''میں کب کہتا ہوں کہ تم لوگ اپنا اعتبار کھو دو، مگر اُسے تم رخصتی ہونے تک تو امرتا سے دُور رکھو!'' رمیش کا انداز سمجھانے والا تھا۔

''میاں بیوی کو ملنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔'' سلوچنا کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔ ''کشور سے میں ہرگز یہ نہیں کہہ سکتی کہ وہ رخصتی تک امرتا سے نہ ملے۔''

''سلوچنا! میں کہتا ہوں اُسے ابھی فوراً یہاں سے چلتا کرو۔ اس گھر کی چھت کے نیچے وہ رہے گا یا میں۔'' رمیش طیش میں آ کر بولا۔

''تمہارا جو جی چاہے کرو، میں تو اپنی بیٹی کو نہیں کھو سکتی۔ اگر تم نے درمیان میں آنے کی کوشش کی تو امرتا خودکشی کر لے گی۔''

''گویا تم اپنے شوہر کو چھوڑ سکتی ہو مگر اپنے داماد کو کھونا نہیں چاہتیں؟'' رمیش نے وضاحت چاہی۔

''تم پر منحصر ہے جو چاہو سمجھو۔'' سلوچنا نے کہا۔

''ٹھیک ہے، تو مرو اپنے داماد اور بیٹی کے ساتھ۔'' یہ کہہ کر رمیش غصے میں باہر نکل گیا۔

اس دوران میں انوپ بیدار ہو گیا تھا۔ وہ تیزی سے ڈرائنگ روم میں آیا اور سلوچنا سے مخاطب ہوا۔ ''کیا کرتی ہو ماں، جلدی سے روکو ڈیڈی کو۔ ورنہ گھر کا چولہا......''

''تو جا کر سو!'' سلوچنا نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ''جائیں گے کہاں، لوٹ کر یہیں آئیں گے۔ اُن پر جب جنون سوار ہوتا ہے تو اسی طرح چلے جاتے ہیں جیسے

اب کبھی واپس نہیں آئیں گے، مگر اگلے ہی روز پھر آن ٹپکتے ہیں۔ گھوڑا اپنا تھان چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہے۔''

رمیش نیچے آیا تو اُس کا ذہن بری طرح سلگ رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا، کہیں سے بندوق لے آئے اور تینوں کو گولی مار دے۔ اُس کا نشہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ پیدل ہی چلتا ہوا ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا۔ صبح کے چار بج رہے تھے۔ پہلی لوکل ٹرین آنے کا وقت ہو گیا تھا۔ رمیش نے ٹکٹ خریدا اور ٹرین آتے ہی اُس میں سوار ہو گیا۔ پہلی ٹرین تھی اس لئے بھیڑ نہیں تھی۔ وہ ایک سیٹ پر لیٹ گیا۔ ٹرین ہلکورے لیتی ہوئی آگے بڑھنے لگی تو اُس کے ذہن پر نیند کا غلبہ ہونے لگا۔ اُس نے اپنے بیگ کو سرہانے رکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ جلد ہی وہ بے خبر سو گیا۔ ٹرین اب تیز رفتاری سے فاصلہ طے کر رہی تھی۔

صبح جب رمیش کی آنکھ کھلی تو کچھ دیر تک وہ سمجھ ہی نہ سکا کہ کہاں اور کن حالات میں ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اُسے گزشتہ رات کے تمام واقعات یاد آتے گئے اور اُس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ ٹرین سانتا کروز اسٹیشن پر رکی تو لوگوں کا ہجوم اس میں سوار ہونے کے لئے کوشش کرنے لگا۔

رمیش نے جلدی سے اُٹھ کر باہر جھانکا اور پھر اپنا بیگ اُٹھا کے ٹرین سے اُتر گیا۔ اسٹیشن پر اُس نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں اور پھر مطمئن انداز میں سر ہلا کر ایک پی سی او کی طرف بڑھ گیا۔

کچھ ہی دیر میں رمیش سن اینڈ سینڈ کے نمبر ملا رہا تھا۔ دیویانی اُسی ہوٹل کے روم نمبر 812 میں اُسے مل سکتی تھی۔

❁......❁

امرتا کو بہت زور کی جھپکی آئی اور اُس کا سر آگے رکھے ہوئے ڈیسک سے زوردار آواز کے ساتھ ٹکرایا۔ اُس کے ماتھے پر چوٹ لگی اور اُس کی کلاس فیلو لڑکیاں بھی زور سے ہنسنے لگیں۔ امرتا ہڑبڑا کر جلدی سے سیدھی ہو کے بیٹھ گئی۔ اُس کی آنکھیں ایسی ہو رہی تھیں جیسے اُس نے نشہ کیا ہو یا ساری رات جاگتی رہی ہو۔ لیکچرار مسز بھٹناگر نے اُسے غور سے دیکھا اور بولی۔ ''آر یو آل رائٹ مس امرتا؟''

"یس میڈم!" امرتا نے کھڑے ہو کر جواب دیا۔

"کیا رات کو سو نہیں سکیں یا......" اُس نے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"جی میڈم! کل رات میری مدر کی طبیعت خراب تھی اس لئے سو نہیں سکی۔" امرتا نے بتایا۔

"تو پھر آپ کو آرام کرنا چاہئے۔ آپ گھر جاسکتی ہیں۔"

"شکریہ میڈم!"

امرتا جلدی سے کتابیں اٹھا کر باہر آ گئی۔ وہ واقعی رات بھر کی جاگی ہوئی تھی۔ اُس کا جی چاہ رہا تھا کہ کسی بھی جگہ لیٹ کر سو جائے۔

اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر ایک لڑکی کو مخاطب کر کے پوچھا۔ "یہ ورشا آج بھی نہیں آئی کیا؟"

"نہیں۔ وہ تو کئی ہفتوں سے غائب ہے۔ نہ جانے کیوں اُس نے پڑھائی چھوڑ دی۔ حالانکہ یہ اُس کا فائنل ایئر ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔

امرتا کو ورشا کی ماں کسم یاد آ گئی۔ وہ بیمار تھی۔ پہلی اور آخری مرتبہ امرتا نے کسم کو ہسپتال ہی میں دیکھا تھا، وہ بھی بہت نازک حالت میں۔ ورشا اُس کے لئے دوائیں لینے گئی ہوئی تھی۔ "کہیں اُنہیں کچھ ہو تو نہیں گیا؟" امرتا نے سوچا۔

پھر وہ کالج کی عمارت سے نکل آئی اور ایک ٹیکسی رُکوا کر اُس میں بیٹھ گئی۔ باندرہ ایسٹ چلنے کے لئے ٹیکسی ڈرائیور سے کہہ کر اُس نے پشت سے سر ٹکایا تو اُسے نیند آ گئی۔ پھر وہ اسی وقت بیدار ہوئی جب ڈرائیور نے اُسے جگایا۔

امرتا آنکھیں پھاڑ کر اِردگرد کا جائزہ لینے لگی۔ ٹیکسی ایک جگہ سڑک کے کنارے رُکی ہوئی تھی۔

"آپ کو کہاں اُترنا ہے؟ باندرہ ایسٹ آ گیا ہے۔" ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا۔

"فورس کلاس کی طرف۔"

ٹیکسی چل پڑی اور کچھ دیر بعد پھر رُک گئی۔ اپنا پرس کھول کر امرتا نے ٹیکسی ڈرائیور کی طرف سو روپے کا نوٹ بڑھا دیا۔ کرایہ کاٹ کر ڈرائیور نے اُسے باقی رقم واپس دے دی۔ امرتا ٹیکسی سے اُتر کر اُس طرف بڑھی جدھر کھولیاں تھیں۔

"امرتا!" اچانک پیچھے سے کسی نے آواز دی۔

امرتا مڑی تو اپنے سامنے ورشا کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اُس کے سامنے جو ورشا کھڑی تھی جیسے کوئی اور ہی تھی۔ جسم پر سستے کپڑے کی شلوار قمیض کا میلا سا سوٹ تھا، پیروں میں پلاسٹک کی معمولی سی چپلیں تھیں، بال بکھرے ہوئے اور اُلجھے اُلجھے سے تھے۔ اُس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے تھے اور رنگت زرد ہو رہی تھی۔

ورشا قریب آ گئی تو امرتا نے اُس کا ہاتھ تھام کر بڑی حیرت سے پوچھا۔ "ورشا! یہ کیا ہو گیا ہے تجھے؟"

"تم کیسے آ گئیں اِدھر؟" ورشا کی آواز ٹھہری ہوئی تھی۔ اُس کے لہجے سے دُکھ جھلک رہا تھا۔

"بہت دن سے تو کالج نہیں آئی تھی نا۔ تیری ماں ہسپتال میں داخل تھیں، کیسی ہیں اب وہ؟" امرتا نے دریافت کیا۔

ورشا نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "چلی گئیں!...... وہ مجھے چھوڑ کر بھگوان کے پاس چلی گئیں۔" یہ سن کر امرتا کو ایک دم جھٹکا سا لگا۔ وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ورشا بول اُٹھی۔ "شاید اُن کا اور میرا اتنا ہی ساتھ لکھا تھا۔"

"تو کیا اُس روز...... وہ دوائیں......"

"روپوں کا انتظام ہو گیا تھا، مگر جس وقت میں دوائیں اور خون کی بوتلیں لے کر ہسپتال پہنچی تو ماں کی نبضیں ڈوب چکی تھیں۔ مجھے بس ملنے میں دیر ہو گئی تھی۔"

"مگر اُس وقت تو کشور بھی ساتھ تھا۔ تو نے خود ہی تو اُس کی کار میں جانا پسند نہیں کیا تھا ورنہ شاید تیری ماں کی زندگی بچ جاتی۔"

"ان باتوں سے اب کچھ حاصل نہیں امرتا! تجھے اس وقت یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔" ورشا بولی۔

"کیوں؟ میں تو یہ جاننا چاہتی تھی کہ تو اتنے دن سے کالج کیوں نہیں آئی؟ یہ تیرا آخری سال ہے۔ تیرے اس طرح پڑھائی چھوڑنے سے ماں جی تو لوٹ کر نہیں آ جائیں گی۔" امرتا اپنی دانست میں اُسے سمجھانے لگی۔ "جو پیدا ہوا ہے اُسے ایک دن مرنا بھی ہے۔ میرا تو یہ کہنا ہے کہ تو نے پڑھائی چھوڑ کر غلطی کی ہے۔"

ورشا نے گہرا سانس لے کر کہا۔ ''پڑھائی..... صرف پڑھائی کیا، میرا تو ہر خواب ٹوٹ کر چکنا چور ہو چکا ہے۔ اب میں پڑھ لکھ کے کیا کروں گی۔''

''تو کیا تیرا باپو پڑھنے نہیں دے رہا؟'' امرتا نے سوال کیا۔

یہ سنتے ہی امرتا کی آنکھوں میں نفرت اُبھر آئی اور وہ بولی۔ ''اُس شیطان کو باپ کہنا، اس رشتے کی توہین ہے۔''

''کیا کہہ رہی ہے تو؟ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ وہ تیرا سوتیلا باپ ہے اور تو اُس سے خوش نہیں ہے، مگر.....''

''میں بتاتی ہوں تمہیں!..... آؤ اِدھر آ جاؤ!'' ورشا اُسے ایک طرف لے آئی، پھر کہنے لگی۔ ''میرے باپو..... میرا مطلب اپنے سگے باپو سے ہے..... وہ ٹیکنیکل انجینئر تھے، ایک بڑی فیکٹری میں!..... ہم ماں بیٹی، باپو کے ساتھ ایک اچھے سے کاٹیج میں رہتے تھے۔ مزدوروں کا سپروائزر گوپی چند، باپو کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہمارے گھر آتا تھا۔ وہ گھر کا سودا تک لا کر دیتا تھا۔ ایک روز ہماری تقدیر ہم سے روٹھ گئی۔ باپو کے اوپر کرین گر پڑی جس سے کچل کر وہ ہلاک ہو گئے۔ ہمیں فیکٹری کی طرف سے ملا ہوا کاٹیج خالی کرنا پڑا۔ اس موقع پر گوپی چند نے بڑی ہمدردی جتائی۔ وہ مجھے اور ماں کو اپنی کھولی میں لے آیا۔ پھر گوپی چند نے ماں سے شادی کر لی اور مجھے بھی سکول میں داخل کرا دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری عمر بڑھتی رہی اور میں سکول کے بعد کالج میں پہنچ گئی۔ گوپی چند ایک آوارہ اور بدقماش آدمی ثابت ہوا۔ ماں کو اس کا احساس تب ہوا جب وقت گزر چکا تھا۔ اسی غم میں اُسے ٹی بی ہو گئی۔ پھر بھی اُس نے گوپی چند کو آوارگی سے روکنا چاہا۔ جواب میں گوپی چند اُس پر ہاتھ اٹھانے لگا۔ اُس نے ماں کا علاج بھی نہیں کرایا۔ میں چاہتی تھی کہ کسی طرح جلد پڑھائی مکمل کر لوں، پھر نوکری کر لوں گی۔ میں اپنی ماں اور خود کو گوپی چند کے چنگل سے نکالنا چاہتی تھی۔ مجھے خود کو، اپنے مستقبل اور ماں کو بچانا تھا۔ اس کے لئے کہ میں اپنی ماں کا علاج کرا سکوں مجھے رقم کی ضرورت تھی جو میرے پاس نہیں تھی۔ پھر رقم کے بندوبست کی ایک راہ نکل آئی، لیکن مجھے اس کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ میں نے اپنے دل کو سمجھایا کہ یہ قربانی اپنی ماں کے لئے دی ہے،

مگر..... مگر امرتا، ماں کی بیماری بڑھتی ہی چلی گئی۔ آخر اُن کی حالت اتنی خراب ہوئی کہ اُنہیں ہسپتال میں داخل کرانا پڑا۔ گوپی چند، میرا سوتیلا باپ پہلے ہی خرچے کی طرف سے ہاتھ کھینچ چکا تھا۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ آخر ایک دن مجھے اسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے گا۔ میں نے جواب دیا تھا کہ وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔ لیکن وہ..... وہ دن آ گیا..... وہی دن جب تم ہسپتال میں میری ماں کو دیکھنے آئی تھیں۔ میں نے بہت کوشش کی مگر رقم کے حصول میں ناکام رہی۔ اور پھر میں نے اپنی انا کے حصار کو توڑ دیا۔ ایسی انا سے حاصل بھی کیا تھا کہ میں اپنی ماں سے محروم ہو جاتی۔ مجھے مجبوراً گوپی چند کو اُس کی فیکٹری فون کرنا پڑا۔ اُس عیار کو خبر تھی کہ میں عنقریب اپنی شکست قبول کرنے والی ہوں اسی سبب وہ پہلے ہی رقم کا بندوبست کر چکا تھا۔ فون پر اُس نے مجھے بتایا کہ کھولی میں ملے گا۔ فیکٹری سے چھٹی لے کر وہ کھولی پہنچا اور میں ہسپتال سے وہاں پہنچی۔''

''اور تم نے مجھے..... مجھے کبھی کچھ نہیں بتایا!'' امرتا خاموش نہ رہ سکی۔

''کیا بتاتی تمہیں!..... تم کون سی سکھی ہو۔'' ورشا نے طویل سانس لیا اور پھر اپنی دُکھ بھری داستان سنانے لگی۔ ''گوپی چند نے بیس ہزار روپے کا بندوبست کیا تھا جو میرے حوالے کر دیئے۔ ماں کو ہسپتال میں داخل کرانے کے بعد مجھے گوپی چند سے خوف آنے لگا تھا۔ میں نے اسی لئے ایک چھپکلی مار کر رکھ لی تھی۔ چنانچہ اُس روز چھپکلی قیمے میں ملا دی کہ گوپی چند وہ زہریلا قیمہ کھا کر مر جائے گا..... ماں کے لئے دوائیں وغیرہ لے کر جب میں ہسپتال پہنچی تو وہ مر چکی تھی۔''

''اور گوپی چند؟..... کیا وہ بھی مر گیا؟'' امرتا نے سوال کیا۔

اس پر ورشا نے سرد آہ بھری، پھر جواب دیا۔ ''میں بھی یہی سمجھی تھی مگر شیطان کی عمر تو لمبی ہوتی ہے نا!..... میرے جانے کے بعد اُس نے قیمے کے دو تین ہی نوالے کھائے تھے کہ اُسے قے ہو گئی۔ وہ پہلے ہی کافی شراب پی چکا تھا، اس وجہ سے بھی اُسے کئی بار قے ہوئی۔ جب اُس کی طبیعت کچھ سنبھلی تو وہ قیمہ لے کر ڈاکٹر کے پاس پہنچا جس نے لیبارٹری میں ٹیسٹ کر کے بتایا کہ قیمے کے اندر چھپکلی مار کے ڈالی گئی ہے۔ میں، ماں کی لاش لے کر کھولی پہنچی تو گوپی چند وہاں موجود نہیں تھا۔ اُس

وقت میں یہی سمجھی کہ وہ کہیں اور جا کے مر گیا ہوگا، مگر جب چتا جلا کر لوٹی تو وہ کھولی میں موجود تھا۔

''پھر؟...... پھر کیا ہوا؟'' امرتا نے بے چینی سے پوچھا۔

''مجھے دیکھ کر اُس پر جنون سا طاری ہو گیا۔ اُس نے میری کتابیں جلا ڈالیں۔ خطرہ محسوس کرتے ہی میں کھولی سے نکل بھاگی، مگر اُس نے مجھے ڈھونڈ لیا۔'' ورشا نے بتایا۔

''بھاگ کر تم کہاں گئی تھیں؟'' امرتا نے دریافت کیا۔

''قریب ہی ایک اور کھولی تھی۔'' ورشا نے جواب دیا۔ ''وہاں ایک بیوہ عورت دُلاری رہتی ہے۔ میں اُسے کاکی کہتی تھی۔ وہ میری ڈھال بن گئی۔ گوپی چند نے دُلاری کاکی کو سب کچھ بتا دیا کہ میں نے کس طرح اُسے مار ڈالنا چاہا تھا۔ پھر بھی کاکی نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ میں اُن کے ساتھ رہنے لگی۔ اپنا پیٹ پالنے اور دو بچوں کی پرورش کرنے کے لئے دُلاری کاکی جھاڑو پونچھے کا کام کرتی تھی۔ میں بھی اُس کے ساتھ لگ گئی۔ مجھے یہ منظور نہیں تھا کہ کاکی پر بوجھ بنوں۔ اس عرصے میں کئی بار میں نے نوکری کی کوشش بھی کی، مگر ناکام رہی گوپی چند اب بھی میری جان کا دشمن بنا ہوا ہے۔ پھر بھی میں کسی طرح زندگی جھیل رہی ہوں۔''

''ورشا! اتنی بڑی بات ہو گئی اور تو نے مجھے اطلاع بھی نہ دی۔'' امرتا شکایت کرنے لگی۔ ''اچھا یہ بتا اُس روز تو نے کشور کی مدد کیوں نہیں لی؟''

کشور کا نام سنتے ہی ورشا کے ہونٹوں پر زہر آلود مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُس نے کہا۔ ''کشور...... وہ تو مجبوریوں کی قیمت لگاتا ہے امرتا! جب اُسے معلوم ہوا کہ مجھے اپنی ماں کے علاج کی خاطر پیسوں کی ضرورت ہے تو اُس نے دوستی اور محبت کے بہانے زبردستی ایک ہزار روپے دے دیئے۔ اس بات کا علم مجھے بعد میں ہوا کہ وہ ستمگر پہلے ہی کئی لڑکیوں کی زندگی سے کھیل چکا ہے۔ جب ماں کی طبیعت زیادہ خراب ہونے لگی تو میں نے کشور ہی کے سامنے ہاتھ پھیلایا تھا، مگر اُس نے صاف کہہ دیا کہ میری حیثیت ہزار دو ہزار سے زیادہ نہیں اور مجھے رقم کی ضرورت تھی۔''

''کیا؟'' امرتا حیران سی رہ گئی۔

''اُس وقت میں نے تمہیں اس لئے کچھ نہیں بتایا تھا کہ بہت پریشان تھی۔ گوپی چند کے سامنے جھک جانے اور اپنی انا کو مار دینے کے سوا مجھے کوئی اور راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔'' ورشا نے یہ کہہ کر امرتا کو تاکید کی۔ ''میں خود تم تک کسی طرح یہ بات پہنچانا چاہتی تھی کہ کشور کے جال میں نہ پھنس جانا۔''

امرتا کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی، کاش یہ سب جھوٹ ہو۔ ورشا نے امرتا کے چہرے پر بدلتے تاثرات کو محسوس کیا اور بولی۔ ''کہیں تم...... تم بھی تو......''

''تمہارا خیال غلط ہے ورشا!'' امرتا خود پر قابو پاتے ہوئے کہنے لگی۔ ''دنیا میں ہر آدمی سب کے لئے ایک جیسا نہیں ہوتا۔ کشور سے تمہارے اور میرے تعلقات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اُس نے تم سے وقتی قربت چاہی ہوگی، میرے ساتھ اُس نے زندگی بھر کا سودا کیا ہے۔ اُس نے مندر میں بھگوان کو گواہ بنا کر میرے ساتھ پھیرے کر لئے ہیں۔ اُس وقت میری ماں جی بھی موجود تھیں۔''

''یہ...... یہ تم نے غلط...... غلط کیا امرتا!'' جذبات کی شدت کے سبب ورشا سے الفاظ ادا نہیں ہو رہے تھے۔ ''پھیروں...... کے بعد تو...... بات آگے نہیں بڑھنے دی نا؟''

''ہم تو پونا جا کر ہنی مون بھی منا چکے ہیں۔'' امرتا نے فخریہ لہجے میں بتایا۔

''یہ اچھا نہیں ہوا امرتا......! اُسے...... اُس ستمگر پر بھروسہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے سانپ کو دودھ پلانا۔''

''میں نہیں مانتی۔'' امرتا نے انکار میں سر ہلایا۔ ''وہ مجھ سے پیار کرتا ہے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ رخصتی کرا لے گا۔''

''تمہیں میں کیسے سمجھاؤں امرتا!'' ورشا کی آواز میں بے بسی تھی۔

''ارے تو کیا سمجھائے گی مجھے!'' امرتا غصے میں بولی۔ ''تو میرے پتی پر الزام لگا رہی ہے۔ تیری باتوں پر کون بھروسہ کریگا؟''

پھر ورشا اُسے آواز دیتی رہ گئی مگر امرتا نہیں رُکی اور ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئی۔

❁......❁

کشور کافی دیر تک ہنستا رہا اور امرتا ہونقوں کی طرح اُس کا منہ دیکھتی رہی۔

"اور کیا کیا کہا تھا اُس نے میرے بارے میں؟" کشور نے اپنی ہنسی روکتے ہوئے پوچھا۔

"ارے اور کیا کہتی وہ۔ میں نے اُسے وہ کھری کھری سنائیں کہ اُس کی طبیعت صاف کر دی۔" امرتا سر جھٹک کر بولی۔

"مجھے تمہی جیسی جیون ساتھی کی ضرورت تھی۔" کشور اب سنجیدہ نظر آنے لگا۔ "رہ گئیں ورشا کی باتیں تو اب میں تم سے کچھ نہیں چھپا سکتا کیوں کہ ہم سدا کے لئے ایک اٹوٹ بندھن میں بندھ چکے ہیں۔ تم تو جانتی ہو کہ ورشا جیسی کئی لڑکیاں پیسے والے لڑکوں کے پیچھے گھومتی رہتی ہیں۔ تم سے پہلے ورشا اور اس سے پہلے کئی لڑکیاں اور میری زندگی میں آئی تھیں، مگر وہ اس ظرف اور درجے کی نہیں تھیں کہ انہیں جیون بھر کے لئے اپنا لیا جاتا۔ ہر ایک کو تو جیون ساتھی نہیں بنایا جا سکتا۔ سب کے ساتھ تو پھیرے نہیں لئے جاتے۔ اُن میں ہوس اور لالچ تھا، تمہاری طرح پیار کی خوشبو نہیں تھی۔"

اپنی تعریف سن کر امرتا خوش ہو گئی، پھر بولی۔ "وہ بیوقوف تمہیں ستمگر کہہ رہی تھی۔"

"اس کی وجہ بھی میں تمہیں ابھی بتاؤں گا، پہلے وہ بات پوری ہو جانے دو جو میں کر رہا تھا۔" کشور نے کہا۔ "تمہیں دیکھتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ تم کوئی عام لڑکی نہیں ہو بلکہ سب سے منفرد اور انوکھی ہو۔ میں نے جان لیا کہ تمہی وہ لڑکی ہو جس کی مجھے تلاش تھی۔ دراصل تمہی میری جیون ساتھی بننے کی اہل تھیں۔ مجھ سے یہ غلطی ہو گئی کہ میں نے ورشا کو بھی اپنے دلی جذبات سے آگاہ کر دیا۔ وہ اسی لئے جل گئی۔ پھر اُس نے مجھے بے وفا، ستمگر اور نہ جانے کیا کیا کہہ دیا۔ دراصل وہ خود کو تم سے زیادہ خوبصورت و حسین سمجھتی ہے۔ میرا اور تمہارا ملن اُس کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا۔ پھر اُس نے مجھ پر اُلٹے سیدھے اور گھٹیا الزامات لگانے شروع کر دیئے۔ میں نے اسی سبب اُس سے ملنا چھوڑ دیا۔ میری طرف سے مایوس ہو کر اب وہ تمہیں بھڑکا رہی ہے۔ اس کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھ سے بدظن ہو جاؤ۔ وہ تو میری بیوی

بننے کی امید لگائے بیٹھی تھی کہ تم اس کے مقابل آ کھڑی ہوئیں۔ تم نے اُس کی چھٹی کر دی۔ تم خود سوچو ڈارلنگ، کیا ورشا جیسی لڑکیوں کو زندگی بھر کے لئے گلے کا ہار بنایا جا سکتا ہے؟ میں نے واضح طور پر ورشا کو اُس کی اصلیت بتا دی تھی، اُسے آئینہ دکھا دیا تھا۔ اب اگر آئینے میں اُسے اپنا چہرہ داغ دار نظر آیا تو میرا کیا قصور۔ سچ بہت کڑوا ہوتا ہے امرتا، ہر ایک کے اندر سچ سننے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔"

"مگر کشور اُس روز......"

کشور نے امرتا کی بات کاٹ دی۔ "ٹھہرو، میں تمہیں سب کچھ بتاتا ہوں۔ میں تمہارے تمام شکوک و شبہات دور کر دوں گا۔" ذرا توقف سے وہ پھر بولا۔ "ورشا نے تم سے اُس روز والی بات کی جب ہم دونوں اُس کی ماں کو ہسپتال دیکھنے گئے تھے۔ انسانی ہمدردی کے ناتے ہی تو میں وہاں گیا تھا کہ اگر اُسے کوئی ضرورت ہو تو پوری کر دوں۔ ورنہ مجھے ہسپتال جانے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہیں یاد ہوگا کہ میں اُسے ڈھونڈنے گیا تھا، مگر وہ مجھے نہیں ملی۔ اسی دوران وہ تمہارے پاس آئی اور پھر روکنے پر بھی نہ رُکی۔ بقول تمہارے وہ بس کے ذریعے باندرہ چلی گئی۔ چلو مان لیا کہ میں نے اُسے رقم دینے سے انکار کر دیا تھا تو وہ کار میں تو میرے ساتھ جا کر گوپی چند سے روپے لا سکتی تھی۔ وہ اکیلی ہی کیوں گئی، وہ بھی بس میں۔ جبکہ اُس کی ماں موت کی دہلیز تک پہنچ چکی تھی۔ امرتا! مجھے تو شک ہے کہ ورشا کی بے راہ روی ہی کی وجہ سے اُس کی ماں کو ٹی بی ہوئی تھی۔" اپنی بات ختم کرتے ہوئے کشور نے تصدیق طلب نظروں سے امرتا کو دیکھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" امرتا نے تائید کر دی۔

"گوپی چند کو دیکھا ہے تم نے؟" کشور نے معلوم کیا۔

"نہیں۔" امرتا نے جواب دیا۔

"میں نے دیکھا ہے اُسے۔ صورت ہی سے اوباش لگتا ہے۔ اُس کی آنکھوں سے جانور پن جھلکتا ہے۔ کیا کوئی ایسے آدمی کو قتل کرنا چاہے تو وہ بدلہ نہیں لے گا؟ پھر اُس نے بدلہ کیوں نہیں لیا؟...... کیا راز ہو سکتا ہے اس میں؟...... یہ سب سوچنے والی باتیں ہیں۔ گوپی چند اور ورشا ایک دوسرے کے دشمن ہیں یا ایک ہی ... وہ دونوں

کیوں کوئی بڑا قدم نہیں اُٹھاتے؟'' کشور نے کہا۔

''ان باتوں پر تو میں نے دھیان ہی نہیں دیا تھا۔'' امرتا بولی۔

''تم کسی بات پر دھیان نہ دو، بس اپنے دل سے پوچھ لیا کرو کہ تمہیں مجھ پر کتنا بھروسہ، کتنا اعتبار ہے۔'' کشور کہنے لگا۔ ''اگر تم نے نہیں تمہاری ماں نے تو دنیا دیکھی ہے، انہیں بھی مجھ پر اعتماد ہے۔ البتہ تمہارے ڈیڈی کے بارے میں مجھے شبہ ہے، ممکن ہے اُن کی رائے مختلف ہو...... خیر چھوڑو ان باتوں کو، وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جس وقت میں دولہا بن کر تمہارے گھر آؤں گا تو سب کے منہ بند ہو جائیں گے۔''

''بھگوان وہ دن جلد لائے۔'' امرتا بے ساختہ کہہ اُٹھی۔

''تمہارے ڈیڈی کب سے گھر نہیں آئے؟'' کشور نے پوچھا۔

''جس روز رات کو تم پہلی بار یہاں ٹھہرے تھے اور جب تمہارے ممی پاپا ملک سے باہر گئے تھے۔ اُس وقت تم بہت پریشان تھے نا!''

کشور ہنس کر بولا۔ ''تمہیں ایک بات بتاؤں کہ تمہارے ڈیڈی ابھی بوڑھے نہیں ہوئے ہیں۔ عام طور پر ساس اپنی بہو سے جلتی ہے اور سسر اپنے داماد سے۔ یہ ریت صدیوں سے چلی آ رہی ہے۔ تمہارے ڈیڈی کو نفرت اور ناراضگی کے بہانے گھر سے باہر رہنے کا موقع مل گیا ہے، اسی کے ساتھ وہ اپنی ذمہ داریوں سے بھی چھٹکارا حاصل کر چکے ہیں۔ پانچ کلو آٹا لانے سے انہیں نجات مل گئی ہے۔ آج کل وہ ایک بڑی حسین اور زبردست قسم کی عورت کے ساتھ گھومتے رہتے ہیں۔''

''نہیں۔'' امرتا کی آواز میں بے یقینی تھی۔

''ماں جی کو نہ بتانا۔ اُنہیں دُکھ ہوگا۔''

چند ہی لمحوں میں امرتا کے چہرے پر کئی رنگ سے آ کر گزر گئے۔ اُس نے کسی قدر توقف سے کہا۔ ''ماں کو بھلا ایسے آدمی کی کیوں پرواہ ہوگی جسے اپنی جوان اولاد کا بھی خیال نہ ہو اور ایک غیر عورت کے ساتھ......'' ہمت کرنے کے باوجود بھی امرتا اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔

کشور نے ہنس کر اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور بولا۔ ''روپے دے جاؤں گا،

راشن بھروا لینا.... اور وہ تمہارے بھائی کے لئے بھی انتظام کر رہا ہوں، کیا فائدہ اس طرح کی زندگی سے۔ زندگی بھر جوتیاں چٹخاتا پھرے گا۔ تمہارے ڈیڈی کو تو اُس غریب کی کوئی فکر نہیں ہے، مگر میں تو اس گھر کا داماد ہوں، اس ناتے سے میری بھی تو کچھ ذمہ داری ہے۔ ہاں آج رات مجھے بارہ بجے واپس جانا ہے، پاپا کا فون آئے گا۔''

امرتا نے اس طرح منہ بنایا جیسے اُسے کشور کا جانا اچھا نہ لگا ہو۔ یوں اُس نے کشور سے اپنی دانست میں محبت ہی کا اظہار کیا تھا۔

قربت کے لمحات پر لگا کر اُڑ جاتے ہیں۔ بارہ بجے کے بعد کشور، امرتا سے رخصت ہوا اور بلڈنگ کے اُس حصے کی سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا۔

بلاک کے نچلے حصے میں تاریکی تھی۔ کشور کی آنکھیں تاریکی میں دیکھنے کی کچھ عادی ہوئیں تو اُسے ایک لڑکی کا سایہ سا نظر آیا۔ قریب پہنچ کر کشور نے اُسے پہچان لیا۔

''ششی!'' کشور نے سرگوشی کی۔

''ہاں، میں ہوں۔''

''اتنی رات کو یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''آج بابو جی کی نائٹ ڈیوٹی تھی۔ مجھے اپنی ایک سہیلی سے ملنا تھا، ماں سے پوچھ کر چلی گئی۔ فلیٹ کی ڈپلی کیٹ چابی میں ساتھ لے گئی کہ اگر دیر ہو جائے تو ماں کو جگانا نہ پڑے۔ مجھے واقعی کچھ دیر ہو گئی۔ جب میں لوٹ کر آئی اور چپکے سے دروازہ کھول کر اندر گئی تو''

کشور بول اٹھا۔ ''وہاں تم نے سریندر کو دیکھا ہوگا اور......''

''دیکھا تو نہیں، مگر اندر والے کمرے سے ماں اور سریندر کی دھیمی آوازیں سنائی دے رہی تھیں...... وہی سریندر جو ہیرو بننے بمبئی آیا ہے۔ پھر میں الٹے قدموں لوٹ آئی، دروازہ لگا کے۔''

''تو کیا اب رات بھر یہیں کھڑی رہو گی؟ چلو میرے ساتھ، کچھ دیر تمہیں گاڑی میں گھما پھرا کر یہیں چھوڑ جاؤں گا۔ اُس وقت تک سریندر بھی چلا جائے گا اور......

اجے کہاں گیا؟"

"وہ رات کا شو دیکھنے گیا ہے، کبھی کبھار فلمیں دیکھ لیتا ہے۔" ششی نے اپنے منگیتر اجے کے بارے میں بتایا۔

"پھر بھی اجے کو شہر سے یہاں آتے آتے رات کا ایک بج جائے گا۔ ابھی پورا ایک گھنٹہ ہے۔" کشور نے یہ کہہ کر ششی کا ہاتھ تھام لیا۔

ششی انکار نہ کرسکی۔ اُس کا ذہن بہت اُلجھا ہوا تھا۔ اسی تذبذب کے عالم میں وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر کشور کے ساتھ چل دی۔ اُسے غلط قدم اُٹھنے کا احساس تک نہیں تھا۔

✡......✡

دیویانی نے پارلر کی پارکنگ میں کار روکی تو رمیش نے کہا۔ "کہاں لے آئی ہو تم مجھے؟"

"چڑیا گھر......! جلدی اُترو۔"

جب رمیش کا حلیہ بدل گیا تو آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر وہ خود بھی حیران رہ گیا۔ اس نے دیویانی کو مخاطب کیا۔ "یہ تم نے مجھے کیا بنا ڈالا؟"

"پچیس برس پہلے والا اپنا ڈریم بوائے۔ اب تم ایک ناکام انشورنس ایجنٹ نہیں بلکہ ایک فیکٹری کے مالک ہو۔" دیویانی بولی۔ پھر اُس نے پارلر کے بل پر دستخط کئے۔ دونوں پارکنگ میں آ کر کار کے اندر بیٹھ گئے۔ دیویانی نے دربان کو سو روپے ٹپ دیئے۔ کار پارکنگ سے باہر نکلی تو دیویانی نے کہا۔ "کوئی تبدیلی محسوس کر رہے ہو اپنے اندر؟"

"ہاں، مگر چہرے بدلنے سے ذہن نہیں بدلتے۔" رمیش نے جواب دیا۔ "اس وقت بھی مجھے اُس پاگل عورت سلوچنا پر غصہ اور اپنے بچوں پر ترس آ رہا ہے۔ پتہ نہیں میرے بچوں کو پیٹ بھر کر روٹی ملی بھی ہوگی یا نہیں۔"

"کاش نہ ملی ہو......! کیا تم کسی بھی طرح اُنہیں اپنی کمی کا احساس دلانا نہیں چاہتے؟ اگر تم پورے ایک ماہ سے گھر نہیں گئے۔ کیا کسی کو تمہاری فکر ہوئی؟ کسی نے تمہیں تلاش کیا......؟ یہ نہ کہنا کہ ممکن ہے انہوں نے تلاش کیا ہو...... اور یہ کہ انہیں کیا خبر تم کہاں ہو...... انہیں معلوم بھی نہیں ہونا چاہئے۔ اب تم ایک فیکٹری کے مالک ہو، تمہارے پاس اپنا کاٹیج ہے، اپنی کار ہے۔ اگر تمہیں اپنا گھر اور بیوی بچے یاد آ رہے ہیں تو ان کے پاس جاؤ مگر صرف پانچ کلو آٹا، دو کلو چاول، ایک کلو دالیں، چائے کی پتی، چینی اور سبزی لے کر۔ اسی طرح جیسے تم برے دنوں میں گھر جاتے

تھے۔'' دیویانی کہتی رہی۔ اُس نے رمیش کو درمیان میں نہ بولنے دیا۔ ''سنو رمیش! دن تمہارے بدلے ہیں، ان کے نہیں...... اینی وے...... آئی لو یو ٹو مچ۔ اگر تمہیں تمہاری سلوچنا واپس مل گئی تو میں کوئی رخنہ نہیں ڈالوں گی۔ آدمی اور جانور میں فرق ہوتا ہے......! محبت سے بڑی لذت کسی شے میں نہیں۔ کیا تمہاری بیوی تمہیں اب بھی چاہتی ہوگی؟ اُسے تمہاری واپسی کا انتظار ہوگا؟''

''شاید نہیں۔'' رمیش کہنے لگا۔ ''یقیناً وہ میری بیوی ہے، مگر محبوبہ اور بیوی میں فرق ہوتا ہے۔ سلوچنا منفی ذہن رکھنے والی ایک عورت ہے۔ اس کی وجہ ناخواندگی ہے۔ اگر وہ تعلیم یافتہ ہوتی تو...... تو غالباً صورت حال مختلف ہوتی۔ وہ میرے دل کے بجائے گھر پر حکومت کرنا چاہتی ہے۔ وہ میرے دل و دماغ پر نہیں، میری اولاد پر راج کرنے کی خواہش مند ہے۔ اس کے برعکس تم...... تم میری محبت ہو، مگر میں تمہیں اپنی بیوی کی حق تلفی کا موقع نہیں دے سکتا۔''

''تھینک یو رمیش! تم نے آج برسوں کے بعد یہ اعتراف تو کیا کہ میں تمہاری محبت ہوں۔ میں سلوچنا کی سوکن نہیں، اس کی بہی خواہ ہوں۔ میری دعا ہے کہ وہ گھر اور بچوں کے ساتھ ساتھ تمہارے دل پر بھی راج کرنے لگے ورنہ...... اپنے کاٹیج کا دروازہ میرے لئے کھلا رکھنا۔''

رمیش چپ رہا۔ اُس کے تصور میں سلوچنا، امرتا اور انوپ کے ساتھ کشور کا چہرہ بھی گھوم رہا تھا۔ کشور کی تو شکل سے بھی اُسے گھن آتی تھی۔ جب تک امرتا کی زندگی میں کشور نہیں آیا تھا، گھر کا ماحول اس قدر بگڑا ہوا نہیں تھا۔ تقریباً پندرہ برس بعد رمیش ایک بار پھر ایک ایسی کار میں بیٹھا تھا جو خود اُس کی تھی۔

دیویانی کے مشورے پر اُس نے عمل کیا اور گویا اپنی سابقہ غربت زدہ زندگی کی طرف لوٹ گیا۔ گلی کوچے اور در و دیوار وہی تھے، چہرے بھی وہی! مگر کبھی کبھی ''پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی'' یہی حال اُس کا بھی تھا۔ آشنا چہروں کے ہجوم میں اُس کا اپنا چہرہ جیسے کہیں گم ہوگیا تھا۔ پرانے محلے والوں نے اُسے حیرت سے دیکھا اور ایک خوشگوار حیرت کا اظہار کیا۔ اُس نے دُکانداروں کے سارے قرضے ادا کردیئے۔ پھر وہ بلڈنگ سے ملحق پی سی او والے کے پاس پہنچا۔

''میں نے کئی بار آپ سے پانچ سو روپے کے نوٹ کا کھلا کرانے کی کوشش کی تھی، کئی بار فون بھی کیا تھا۔'' رمیش نے یہ کہتے ہوئے نوٹ بُک کھولی اور بولا۔ ''میرے حساب سے آپ کے ساٹھ روپے بنتے ہیں۔'' اُس نے سو روپے کا نوٹ دے کر چالیس روپے واپس لئے۔

''رمیش بابو!'' پی سی او والے نے کہا۔ ''امرتا کے لئے اُس کی کسی سہیلی ورشا کا پیغام ہے جو گورنمنٹ کالونی باندرہ ایسٹ کی ایک فورتھ گریڈ کھولی میں رہتی ہے۔ وہ کہہ رہی تھی، امرتا کو یہ پیغام دے دیا جائے کہ کشور پانچ سال کے لئے باہر جا رہا ہے...... شاید امریکہ کا بتایا تھا اُس نے۔ کشور کی شادی امریکہ میں کسی لیڈی ڈاکٹر سے طے ہوگئی ہے۔''

رمیش کے دماغ میں چھنا کا سا ہوا...... اُس نے ورشا کا نام پتہ نوٹ کیا۔ اب اُس کی کار باندرہ کی طرف تیزی سے دوڑ رہی تھی۔

باندرہ پہنچ کر ورشا کی تلاش میں اُسے دُشواری تو ہوئی مگر ناکامی نہیں۔ ورشا نے کشور کے بارے میں اُسے سب کچھ بتا دیا۔ کار والے کسی شخص کو کھولیوں والی ایک آبادی میں دیکھ کر، وہ بھی کسی نوجوان آدمی کے ساتھ شکوک و شبہات تو پیدا کر ہی دیتا ہے۔ ورشا کے سوتیلے باپ گوپی چند کو ایک موقع مل گیا، مگر رمیش نے ورشا کو اپنی بیٹی کہہ کر بات کو سنبھال لیا۔ اسی کے ساتھ بستی والوں کو ورشا نے گوپی چند کے کرتوتوں سے آگاہ کردیا۔ معلوم تو خیر پہلے بھی سب کو تھا لیکن کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ گوپی چند کے خلاف زبان کھول سکے۔ اب وہ سب جمع ہو گئے اور انہوں نے گوپی چند کو ورشا پر ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو برداشت نہ کر سکے۔

وہ گوپی چند جس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، بستی والوں نے اُس کی ٹانگیں توڑ دیں۔ ایک نوجوان بولا۔ ''ورشا بہن! ہم نے اسے زندگی بھر کے لئے اپاہج بنا دیا ہے۔''

ایک بوڑھے نے کہا۔ ''آج سے تو اس پوری بستی کی بیٹی ہے۔'' پھر وہی بوڑھا، رمیش سے مخاطب ہوا۔ ''آپ کون ہیں بابو جی؟ آپ ہی کی موجودگی کے سبب ورشا کو اتنا حوصلہ ہوا کہ گوپی کے خلاف زبان کھول سکے۔''

"ورشا میری بیٹی کی کلاس فیلو ہے اور اب میری بھی بیٹی ہے۔" رمیش نے بتایا۔

"بہرحال اب ورشا کی حفاظت کرنا آپ لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ اس کے کھانے پینے اور تعلیم کے اخراجات میں دُوں گا۔ یہ اب گھروں میں برتن دھونے نہیں جائے گی بلکہ اپنی تعلیم مکمل کرے گی تاکہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکے۔ تمہاری سہیلی کا فیصلہ ہو جائے تو میں تمہارے کسی اور جگہ رہنے کا بندوبست بھی کر دوں گا۔"

ورشا سے رخصت ہو کر رمیش پھر آشنا در و دیوار کی پناہ میں آ گیا۔

رمیش کو ورشا سے جو کچھ معلوم ہوا تھا، اُس نے اپنی بیوی سلوچنا کو بتا دیا۔ حسب معمول سلوچنا اُس سے بحث کرنے لگی۔ ورشا کو وہ جھوٹا ثابت کرنے پر تلی ہوئی تھی اور کشور کی حمایت لے رہی تھی۔ رمیش کے بدلے ہوئے حلیے پر بھی اُس نے طنز کیا اور بولی۔ "جوان اولاد کے ہوتے تمہیں خود شرم آنی چاہئے کہ اس طرح پھرو۔ دنیا تمہاری بے حیائی پر کیا کہے گی۔"

"بکواس مت کرو۔" رمیش کو غصہ آنے لگا۔ "تم کیوں اپنی بیٹی کی زندگی برباد کرنا چاہتی ہو۔"

"تمہیں جانتی ہوں میں اچھی طرح۔ تم دیویانی کے بہکاوے میں آ کر مجھے میری اولاد کے سامنے ذلیل کرنے آئے ہو۔"

گھر میں امرتا بھی موجود تھی مگر وہ باپ کے ڈر سے کمرے ہی میں رہی۔

سلوچنا کو رمیش نے لاکھ سمجھایا مگر وہ نہ مانی۔ اُس کا کہنا یہی تھا کہ ورشا جھوٹی ہے۔ نیز یہ کہ رمیش خواہ مخواہ اپنی بیٹی کے گھر کو تباہ کر رہا ہے۔ ابھی یہ بحث جاری تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ امرتا شرم و غیرت کو بالائے طاق رکھ کر اندر والے کمرے سے نکلی اور دروازہ کھول دیا۔

آنیوالا کشور تھا۔ امرتا اُسے اپنے ساتھ اندر والے کمرے میں لے گئی اور رمیش اُسے دیکھتا رہ گیا۔ اُس کی قوتِ برداشت جواب دے گئی اور وہ تیزی کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اُس نے جاتے جاتے اپنی بیوی کی آواز سنی جو کشور سے مخاطب تھی۔ "چھوڑو بھی بیٹا! اب ہمارا ان سے تعلق ہی ختم ہو گیا ہے۔ جب بھی آتے ہیں، سب کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں۔ اب تو بہتر یہی ہے کہ وہ یہاں نہ آیا

کریں۔"

✡ ...... ✡

نندیتا دیوی ابھی ابھی سیڑھیاں اُتر کر نیچے آئی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔ "کیا میں گوتم جی سے بات کر سکتا ہوں؟ مجھے اُن سے بہت ضروری کام ہے۔"

"آپ کو جو کچھ کہنا ہو، بتا دیں۔ میں اُن کی مسز بول رہی ہوں...... مسز گوتم۔"

"دراصل مجھے آپ کے بیٹے کشور کے بارے میں یہ بتانا ہے کہ وہ امرتا نامی ایک لڑکی سے شادی کر چکا ہے۔" رمیش نے بتایا۔

نندیتا نے اس پر انتہائی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "دراصل چھوٹے گھرانوں کی لڑکیاں اسی طرح بڑے گھروں کے خواب دیکھتی ہیں۔ اس کے لئے وہ ایسے تمام حربے استعمال کرتی ہیں کہ شکار ان کے جال میں پھنس جائے۔ یہ لڑکی امرتا بھی مجھے ایسی ہی لڑکیوں میں سے......"

"مسز گوتم!" رمیش بول اٹھا۔ "میں اُسی لڑکی امرتا کا بدنصیب باپ بول رہا ہوں۔" پھر نندیتا کے استفسار پر رمیش نے ساری حقیقت بیان کر دی۔

"اگر آپ کا کہنا سچ ہے تو جلد ہی جواب مل جائے گا۔" نندیتا نے یہ کہہ کر رابطہ منقطع کیا اور پھر اپنے موبائل پر ایک نمبر ملا کر اسے کان سے لگا لیا۔

دوسری جانب موبائل کی گھنٹی بجی تو کشور نے نمبر دیکھا اور بٹن دبا کر بولا۔ "جی ممی!"

"کہاں ہو تم؟"

"سن اینڈ سینڈ میں، دوست کے ساتھ۔"

"دوست کے ساتھ یا اپنی بیوی امرتا کے ساتھ؟"

کشور چونک اُٹھا۔ اُس نے سامنے بیٹھی ہوئی امرتا کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور اٹھ کر لان میں آ گیا۔ اُس نے اپنی ماں کو یقین دہانی کرائی کہ سب جھوٹی باتیں ہیں اور وہ نیویارک ہی میں شادی کرے گا، اپنے والدین کی مرضی سے۔ کشور نے اپنی ماں سے یہ درخواست بھی کی کہ وہ اس کے ڈیڈی کو کچھ نہ بتائے۔

''اگر تم سچے نکلے تو میں ان سے کچھ نہیں کہوں گی۔''

سلسلہ منقطع کر کے کشور واپس میز پر پہنچا اور امرتا سے گھر چلنے کو کہا۔ امرتا فوراً ہی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ واپسی پر کشور نے امرتا کو جب یہ بتایا کہ رمیش نے اُس کی ماں کو فون کر کے بات بگاڑ دی ہے تو امرتا بولی۔ ''بھگوان ایسا باپ دشمن کو بھی نہ دے۔''

ہر ماں اپنی اولاد سے واقف ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اولاد کی محبت میں دانستہ انجان بنی رہے۔ نندیتا دیوی بھی کشور کی حرکتوں سے بے خبر نہیں تھی۔ رمیش کی بات پر اسی لئے اُسے کچھ کچھ یقین سا تھا۔ وہ اسی بنا پر رمیش کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گئی۔ کشور اس وقت بلڈنگ کے احاطے میں داخل ہو رہا تھا۔ ماں کو دیکھ کر اُس کے ہوش اُڑ گئے۔ پھر بھی اُس نے بات بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اُسے معلوم تھا کہ سلوچنا اور امرتا اُس کے کہنے ہی پر عمل کریں گی۔ پھر یہی ہوا۔

''ہے بھگوان! کیڑے پڑ جائیں اس بڈھے کی زبان میں!'' سلوچنا کہنے لگی۔ ''اتنا بڑا جھوٹ۔''

''تمہارے شوہر نے جھوٹ بولا ہے یا سچ، یہ تم جانو! میں صرف یہ جاننے آئی ہوں کہ کشور تمہارے گھر کیوں آتا ہے؟ بلڈنگ کے دوسرے لوگوں سے بھی میں معلوم کر چکی ہوں، وہ کشور کو پہچانتے ہیں۔'' نندیتا دیوی کا لہجہ جواب طلبی جیسا تھا۔

''ارے بہن جی، کالج کے لڑکے لڑکیاں تو ایک دوسرے کے گھر آتے جاتے ہی ہیں۔ امرتا ہی سے نہیں، دوسری لڑکیوں سے بھی کشور کی دوستی ہے۔''

''تو وہ شادی والی بات جھوٹ ہے؟''

''بالکل جھوٹ ہے۔'' سلوچنا نے جواب دیا۔ کشور نے اُسے یہی پٹی پڑھائی تھی۔

نندیتا دیوی تو سلوچنا اور امرتا کی باتوں میں آ گئی مگر رمیش خاموش نہیں بیٹھا۔ اُس نے گوتم داس سے فون پر رابطہ قائم کیا۔ سیٹھ گوتم کو جب اس بات کا علم ہوا تو رمیش کو اپنے بنگلے پر آنے کے لئے کہہ دیا۔ گوتم داس نے ریسیور رکھا تو نندیتا نے غصے سے کہا۔ ''آپ یہ کیا کر رہے ہیں......؟ اس بات کو سمجھ لیں اچھی طرح، وہ لڑکی اس گھر کی بہو نہیں بن سکتی۔''

''اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تم پُریقین ہو، تمہارے بیٹے نے اُس لڑکی کے ساتھ

پھیرے کر لئے ہیں؟''

''اگر یہ بات سچ ہوتی تو وہ دونوں ماں بیٹی انکار کیوں کرتیں......؟ ایک غیر آدمی کی باتوں میں آ کر آپ اپنے بیٹے پر شک کر رہے ہیں۔''

''تم اس سوسائٹی میں موو نہیں کرتیں، میں کرتا ہوں۔ مجھے فرزند ارجمند کے کارناموں کا علم ہے۔'' سیٹھ گوتم نے کہا۔

''امیر زادوں کے پیچھے تو بے شمار لڑکیاں پڑی ہی رہتی ہیں۔ کیا آپ سب کو بہو بنا کر لے آئیں گے؟''

''کسی اور کے ساتھ اُس گدھے نے پھیرے نہیں کئے۔ قانون ہماری جاگیر نہیں ہے بلکہ سب کے لئے برابر ہے۔''

''کیا آپ ایسی بہو کو تسلیم کر لیں گے جس نے چوری چھپے کشور سے شادی کر لی؟ اور...... اور اب اُس کی بیوی بن کر رہ......''

سیٹھ گوتم نے بات کاٹ دی اور بولا۔ ''اس کا جواب تو تمہارا بیٹا ہی دے گا۔''

اچانک انٹرکام کا بزر بول اُٹھا۔

''چوکیدار! سیٹھی صاحب آئے ہوں تو انہیں اندر بھیج دو۔'' یہ کہہ کر سیٹھ گوتم نے ریسیور رکھ دیا۔

کچھ دیر بعد بہترین تراش کے سوٹ میں ملبوس رمیش اُس کے سامنے تھا۔

''ویلکم مسٹر سیٹھی!'' گوتم سیٹھ نے ہاتھ ملاتے ہوئے خوش مزاجی سے کہا۔

رمیش کو دیکھ کر نندیتا دیوی چونکی، پھر اُس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ رمیش نے اُنہیں بھی ''آداب عرض'' کہا مگر جواب سرد مہری سے ملا۔ وہ لوگ بیٹھ گئے۔ گوتم داس نے رمیش کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ایسا لگتا ہے، ہم پہلے بھی مل چکے ہیں۔''

''کالج میں صرف دو ہی طلبہ ذہین تھے اور دونوں میں مقابلہ رہتا تھا۔''

اس پر گوتم سیٹھ نے بھی رمیش کو پہچان لیا اور کہا۔ ''میرا خیال ہے، اب ہمیں اصل بات پر آ جانا چاہئے۔''

''ارے اب کوئی جھنجھٹ نہیں رہا۔'' رمیش بولا۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' گوتم سیٹھ نے تصدیق کی۔ ''آپ عزت دار آدمی ہیں۔

بچوں سے اگر نادانی ہو گئی تو اس مسئلے کو حل کرنا ہمارا فرض ہے۔“

”شکریہ گوتم جی! بیٹی کا باپ ہونا واقعی بڑی پریشانی کی بات ہے۔ یہ کردار تو ماں کا ہوتا ہے کہ وہ بیٹی کی صحیح طرح رہنمائی کرے۔“ رمیش نے کہا۔

”کچھ بھی ہو مگر میں امرتا کو کسی صورت میں بھی اپنی بہو کی حیثیت سے قبول نہیں کروں گی۔“ نندیتا ایک دم بول اُٹھی۔ اُس کی آواز میں غصہ تھا۔

”لیکن وہ ثبوت......“

”اگر آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے تو لا کر دکھائیے!“

نندیتا ریلیکس!“ گوتم سیٹھ نے اپنی بیوی کو سمجھایا۔ ”رمیش بابو کوئی معمولی آدمی نہیں۔ انہوں نے فون پر اپنا اصل نام بہ وجوہ نہیں بتایا ہوگا۔ میں نے اسی لئے انہیں مسٹر سیٹھی کہا تھا، مگر اب تو...... خیر اس قصے کو چھوڑو، یہ ثبوت دینے سے انکار تو نہیں کر رہے۔“ پھر گوتم سیٹھ نے رمیش کو مخاطب کیا۔ ”اگر آپ کی ضد ہے تو آپ شادی کا وہ سرٹیفکیٹ لا کر دکھا دیجئے جس کا مجھ سے فون پر ذکر کیا تھا۔ وہ شادی کا سرٹیفکیٹ ہی فیصلہ کرے گا اب تو۔“

”ٹھیک ہے۔“ رمیش نے رضامندی ظاہر کر دی۔

”بس تو پھر جھگڑا کس بات کا۔ نندیتا مطمئن ہو جائیں تو وہ بہو کو گھر لے آئیں گی۔“

”میں آپ کا ممنون ہوں گوتم جی! سرٹیفکیٹ لے کر جلد حاضر ہوں گا۔“

گوتم سیٹھ، رمیش کو کار تک چھوڑنے گیا۔ اِدھر رمیش کی کار باہر نکلی اُدھر کشور کی کار بنگلے کی حدود میں داخل ہوئی۔ گوتم سیٹھ اُس کی طرف دیکھے بغیر اندر آ گیا وہ جیسے ہی اندر پہنچا، نندیتا اُس پر برس پڑی۔ ”ایسی لڑکی میری بہو نہیں بن سکتی۔“

”تم آخر اتنا غصہ کیوں کر رہی ہو نندیتا! سکون سے بھی بات ہو سکتی ہے۔“ گوتم سیٹھ بولا۔ ”کشور ان دونوں کی نظر بچا کر اوپر جانے لگا تو گوتم داس نے کہا۔ ”اگر آپ اپنی مصروفیت میں سے تھوڑا وقت ہمیں بھی دے دیں تو مہربانی ہو گی۔“ اُس کے لہجے میں طنز تھا۔

کچھ کہے بغیر کشور سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

”آپ نے اپنے کارناموں سے ہماری بڑی عزت افزائی کرائی ہے۔“

”پاپا! یہ سراسر الزام ہے۔“

”بہر حال اب وہی لڑکی اس گھر کی بہو بنے گی۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ آپ ساری دنیا کے سامنے جھوٹ بول سکتے ہیں، ہمارے سامنے نہیں۔“ گوتم سیٹھ کہنے لگا۔ اس دوران کشور نے کچھ کہنا چاہا مگر گوتم سیٹھ نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا اور کہا۔ ”ہم آپ کے باپ ہیں...... اور آپ ہمیں جتنا بے وقوف سمجھتے ہیں، اتنے بے وقوف ہم ہیں نہیں۔“ کشور خاموش کھڑا رہا۔ گوتم سیٹھ نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”وہ لڑکی شاید آپ کے فریب میں نہیں آ رہی ہو گی اس لئے آپ نے پھیروں کا ڈھونگ رچایا۔ اب امریکہ جانا کینسل! اب پہلے اس لڑکی کی رخصتی کی تیاری کرو۔“

”ناممکن ہے۔“ نندیتا نے صاف انکار کر دیا۔ ”وہ لڑکی میری دہلیز پر نہیں چڑھ سکتی۔“

”مت بھولو کہ وہ لڑکی تمہاری بہو بن چکی ہے۔ شادی کا سرٹیفکیٹ عدالت میں پیش ہو گیا تو اسے دنیا کی کوئی طاقت اس دہلیز پر چڑھنے سے نہیں روک سکے گی۔“ گوتم سیٹھ یہ کہہ کر چلا گیا۔

نندیتا، کشور پر چڑھ دوڑی۔ ”تو نے آخر کیوں پھندا ڈال لیا اپنے گلے میں......؟ کیا واقعی تو اُس سے پیار کرتا ہے؟“

”ممی! آپ ہی خود بتا دیں، کیا ایسی لڑکیاں پیار کے قابل ہوتی ہیں......؟ یہ میری ذمہ داری ہے، وہ ماں بیٹی مر جائیں گی، شادی کا سرٹیفکیٹ نہیں دیں گی۔“

نندیتا نے یہ سنا ضرور مگر اُس کی آنکھوں میں بے یقینی جھلک رہی تھی۔

✿......✿

”کوئی باپ اپنی بیٹی کو اس طرح بلاوجہ بدنام نہیں کرتا جس طرح تم نے کیا ہے۔ اب یہاں کیوں آئے ہو؟“ سلوچنا اپنے شوہر رمیش سے مخاطب تھی۔

”میں تم لوگوں کے لئے مر گیا ہوں، مجھے خبر ہے لیکن تم لوگ میرے لئے ابھی نہیں مرے ہو۔“ رمیش نے تیز آواز میں کہا۔

"پوری بلڈنگ میں بے عزت کرا کے بھی چین نہیں ملا تمہیں......؟ میں کہتی ہوں چلے جاؤ یہاں سے!" سلوچنا آپے سے باہر ہونے لگی۔

رمیش کو بھی غصہ آ گیا۔ "یہ گھر اور گرہستی میری ہے۔ جانا ہی ہے تو یہاں سے میں نہیں تم جاؤ گی۔ تم ابھی اور اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ ورنہ میں......"

"کیا کرلو گے تم؟" سلوچنا نے بات کاٹ دی۔

"کھڑے کھڑے تمہیں ابھی طلاق دے دُوں گا۔"

سلوچنا کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

رمیش اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید بولا۔ "تماشا تو پوری بلڈنگ کو تم پہلے ہی دکھا چکی ہو۔ اُس آوارہ لڑکے کی باتوں میں آ کر چوری چھپے پھیرے، سہاگ رات، ہنی مون اور راتوں کو اس کا یہاں آنا، پیچھے کار کھڑی کرنا اور ساری ساری رات یہیں گزارنا، یہ سب تماشا نہیں تو اور کیا ہے۔" سلوچنا کچھ نہ بولی تو رمیش کہنے لگا۔ "میری بیٹی کی رگوں میں ایک شریف خاندان کا خون ہے۔ دُکھ تو اس بات کا ہے کہ تم نے اسے صحیح راستے پر نہیں رکھا۔ تم نے اپنی جہالت اور بے وقوفی میں یہ سب کچھ کیا۔ میں کشور کے ماں باپ سے بات کر آیا ہوں۔ اُن کی شرط ہے کہ اگر انہیں شادی کا سرٹیفکیٹ دکھا دیا جائے تو رخصتی ہو جائے گی ورنہ کشور امریکہ جا کے شادی کر لے گا۔ یوں تمہاری بے وقوفی کی سزا امرتا کو بھگتنی پڑے گی۔ تم شادی کا سرٹیفکیٹ مجھے دے دو۔ اگر کشور ملک سے باہر بھاگا تو میں اُس کا پاسپورٹ تک ضبط کرا دوں گا۔"

اچانک امرتا سامنے آ گئی اور بولی۔ "ڈیڈی! میں ایک بار کشور سے ملنا چاہتی ہوں، اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کروں گی۔"

رمیش نے حقارت سے امرتا کو دیکھا اور پلٹ کر دروازے سے نکل گیا۔

۞......۞

ششی کو دیکھ کر امرتا چونک اُٹھی۔ اُس نے ایک پرچہ امرتا کو تھمایا اور دھیمی آواز میں بولی۔ "یہ پرچہ تمہارے لئے کشور نے بھیجا ہے۔" پھر وہ تیزی سے واپس چلی گئی۔

امرتا نے دروازہ بند کر کے دھڑکتے دل کے ساتھ اس پرچے کو کھولا۔ اس میں لکھا تھا۔ "امرتا! اگر تم چاہتی ہو کہ ہمارا رشتہ نہ ٹوٹے تو کسی بھی حال میں اپنے ڈیڈی کو شادی کا سرٹیفکیٹ نہ دینا۔"

زینے پر امرتا نے کسی کے قدموں کی چاپ سنی تو کچن میں چلی گئی اور پرچہ جلا دیا۔ اسی دوران دروازے کی طرف سے سلوچنا کی آواز آئی تو امرتا نے سکون کا سانس لیا۔ وہ یہ سمجھی تھی کہ رمیش آنے والا ہے۔

۞......۞

ششی کے باپ جانکی داس نے اجے کے والد اور اپنے دوست گوپال کو دیکھا تو اُس سے لپٹ گیا۔ پھر آواز لگائی۔ "لکشمی! دیکھ تو کون آیا ہے۔"

لکشمی کچن سے نکلی۔ گوپال پر نظر پڑتے ہی وہ خوشی سے بولی۔ "گوپال جی! آپ اچانک کیسے؟"

"بھابھی! اجے کی ماں جلد از جلد بہو کا منہ دیکھنا چاہتی ہے۔" گوپال نے جواب دیا۔ "میں جانکی داس سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہمیں صرف بہو چاہئے۔ قسمت سے اجے کو اچھی ملازمت مل گئی ہے، کوارٹر بھی ملنے والا ہے۔ اجے کی ماں چاہتی ہے کہ اپنے بیٹے اور بہو کے ساتھ ہی بمبئی میں رہے۔"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے، ہمیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

"بس تو پھر آپ لوگ پنڈت جی کو بلوائیے، مہورت نکلوائیے، اجے کو اسی ہفتے کوارٹر مل جائے گا۔"

"مگر اجے نے ہمیں یہ خوشخبری کیوں نہیں سنائی؟" جانکی داس نے پوچھا۔

"وہ آپ لوگوں کو سرپرائز دینا چاہتا ہوگا۔" گوپال نے یہ کہہ کر لکشمی کو مخاطب کیا۔ "بھابھی! یہ ہنومان چالیسا ہے۔" اُس نے سرخ رنگ کی ایک پٹی لکشمی کو دی، پھر بولا۔ "اجے کی ماں نے کہا ہے کہ اسے بہو کے بازو پر بندھوا دینا۔"

لکشمی، ہنومان چالیسا لے کر دوسرے کمرے میں آ گئی جہاں ششی چپ چاپ کھڑی تھی۔ لکشمی نے اُس سے کہا۔ "تیری ساس نے یہ بھیجا ہے، لا باندھ دوں۔"

ششی پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ "نہیں میں اسے نہیں باندھوں گی۔"

"اس میں شرمانے کی کیا بات ہے۔ یہ تو تیری ساس کی محبت کا ثبوت ہے۔" لکشمی نے سمجھایا۔

"ابھی رہنے دو ماں، کل بندھوا لوں گی۔"

"آج کیوں نہیں؟" لکشمی نے پوچھا۔

"کل منگل ہے جو بڑا مبارک دن ہے۔" ششی نے جواب دیا۔

لکشمی نے واپس جا کر یہ بات گوپال اور جانکی داس کو بتا دی۔

دوسری طرف ششی کو وہ رات یاد آ رہی تھی جب اُس نے پڑوسی نوجوان سریندر کو اپنی ماں لکشمی کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ایک ایسی عورت سے کس طرح اپنے بازو پر ہنومان چالیسا بندھوا لئے جس کے کردار پر شک کیا جا سکتا ہے۔ اُس کے نزدیک یہ بدشگونی تھی۔

"نہیں...... میں نے ٹھیک کیا ہے۔" ششی بڑبڑائی۔ "وہ میری ماں ہے تو کیا ہوا!"

ششی ماضی کی تلخ یادوں میں گم تھی۔ اُس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔ اچانک اُسے زوردار اُبکائی آئی اور وہ سر سے پاؤں تک لرز کے رہ گئی...... وہ عمر کی اس منزل میں تھی کہ خطرے کی اس گھنٹی کا مطلب سمجھ سکتی تھی۔ اُسے وہ رات یاد آئی جب اُس نے اپنے فلیٹ میں سریندر کی آواز سنی تھی اور دروازہ بند کر کے باہر آ گئی تھی۔ اُسے تنہا پا کر اور تذبذب میں مبتلا دیکھ کر کشور نے موقع سے فائدہ اٹھایا تھا۔ کشور اُسے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اُس نے ششی کی جذباتی کیفیت کو محسوس کر لیا اور پھر اُس کے ساتھ ہر مرحلے سے گزر گیا۔

وہ سوچنے لگی کہ وقت کبھی واپس نہیں آتا۔ کمزور لمحے اُسے جن اندھیروں میں دھکیل گئے تھے، ان سے نکلنے کی ایک ہی راہ تھی کہ وہ جلد از جلد اجے سے شادی کر لے۔ اچانک کسی نے اُسے آواز دی اور وہ چونک اُٹھی۔ "ہیلو!" کہنے والا اجے تھا۔ وہ دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کن خیالوں میں گم ہو؟" اجے نے اُس سے پوچھا۔

"کک...... کچھ نہیں۔"

"جانتی ہو پتا جی کیوں آئے ہیں......؟ یقیناً تمہیں اس کی وجہ معلوم ہو گی...... پھر بھی تم خوش کیوں نہیں ہو؟"

اُس نے اجے کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ اُس کے ذہن میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ اُس نے سوچا، یہ وہ شخص ہے جس سے میں نے محبت کی ہے۔ کیا میں اتنی خودغرض ہوں کہ اس سے بے وفائی پر آمادہ ہو گئی؟ کیا مجھے یہ زیب دیتا ہے کہ اپنا گناہ اس کی جھولی میں ڈال دوں؟"

۞......۞
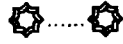
"ارے لکشمی!" جانکی داس نے اپنی بیوی کو آواز دی۔ "تم کیا کر رہی ہو؟"

"بھائی صاحب کے لئے چائے بنا رہی ہوں۔" لکشمی کا اشارہ اجے کے والد گوپال کی طرف تھا۔

"آج منگل ہے نا، ششی کے بازو پر ہنومان چالیسا باندھ دو!"

"ابھی تو وہ سو رہی ہے، اُٹھے گی تو......"

"سو رہی ہے ابھی تک......؟ ساڑھے دس بج رہے ہیں۔" جانکی داس بول اٹھا۔

"دیکھتی ہوں جا کر۔ اس وقت تک تو وہ روز اٹھ جاتی ہے۔"

"اسے جگاؤ تا کہ نہا دھو کے ناشتہ کر لے۔ میں گوپال کے ساتھ پنڈت جی کے پاس جا رہا ہوں۔" جانکی داس بولا۔

لکشمی چولہا ہلکا کر کے کمرے میں آئی تو ششی بے سدھ سی پڑی تھی۔

"کیسی بے خبر سو رہی ہے!" وہ بڑبڑانے لگی۔ "جوانی کی نیند ہی ایسی ہوتی ہے۔" لکشمی مسکرائی اور ششی کو زور زور سے آوازیں دینے لگی۔ جب ششی آوازیں دینے کے باوجود نہ اٹھی تو لکشمی اُس کے قریب پہنچی۔ اُس کا ماتھا ٹھنکا۔ ششی کا بازو پکڑ کر اُس نے زور سے ہلایا، اس پر بھی ششی کے جسم کو حرکت نہ ہوئی تو لکشمی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ حقیقت اُس پر منکشف ہو چکی تھی......!

لکشمی اپنی جوان بیٹی کی لاش کے اوپر گر کر رونے لگی۔ جانکی داس اور گوپال دوڑتے ہوئے اندر آئے۔ ان دونوں ہی کے چہروں سے فکر و تشویش اور گہرے دُکھ کا اظہار ہو رہا تھا۔ جانکی داس نے ششی کے سرہانے رکھا ہوا پرچہ اٹھا لیا اور اس پر

لکھی ہوئی عبارت پڑھنے لگا۔

''میرے وجود میں ایک گناہ پرورش پا رہا ہے، اس لئے میں اجے کے قابل نہیں رہی۔ مجھے معاف کر دینا۔ ماں! اگر تم یہ چاہتی ہو کہ میری رُوح کو سکون مل جائے تو آج ہی سے بابو جی کو اپنا دیوتا مان کر ان کی پوجا شروع کر دینا۔ وہ سب کچھ جان کر بھی خاموش ہیں۔''

ششی نے یہ آخری خط اپنی ماں لکشمی کو لکھا تھا۔ جانکی داس نے وہ عبارت پڑھی تو جیسے پتھر کا ہو گیا۔ روتے روتے لکشمی کی نظر جب اس پرچے پر پڑی تو اُس نے پرچہ اٹھا لیا۔ عبارت پڑھتے ہوئے اُس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔

گوپال اس وقت دستک سن کر دروازہ کھولنے چلا گیا تھا۔

لکشمی نے جانکی داس کی طرف دیکھا، عجیب سے انداز میں!

جانکی داس دھیمی آواز میں کہنے لگا۔ ''مجھے...... مجھے معلوم تھا کہ...... کہ تمہارے بھٹکے ہوئے قدم ایک نہ ایک روز کوئی بڑا گل کھلائیں گے...... اور یہی ہوا۔ تم...... تم نے ایسا کیوں کیا؟ اب یہ سوال کرنے کا وقت گزر چکا ہے...... خیر تم نے تو مجھے جیتے جی مار ہی دیا، مگر ششی...... اس کا کیا قصور......؟ وہ تو چلی گئی...... بڑی خاموشی کے ساتھ...... تم اسے آوازیں ہی دیتی رہ گئیں! جو...... جو بھی ہوا، یہ...... یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔''

لکشمی کو چپ سی لگ گئی۔ جانکی داس نے اپنی بیٹی کا خط جیب میں رکھ لیا۔ اُس نے ششی کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اُس پر چادر ڈال دی۔

کچھ ہی دیر بعد لکشمی دھیرے دھیرے چلتی ہوئی باہر آئی، دروازے سے نکلی اور بلڈنگ کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

اسی وقت اجے بلاک میں داخل ہوا۔ اُس نے لکشمی کو دیکھا تو زور سے بولا۔

''آنٹی! کہاں جا رہی ہیں آپ؟''

''تم اندر جاؤ، میں ذرا اوپر جا رہی ہوں۔''

اجے اندر آ گیا۔ گوپال دروازے پر کچھ پڑوسیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔

''کیا بات ہے......؟ کیا ہوا؟'' اجے نے گوپال سے پوچھا۔

جواب جانکی داس نے دیا۔ ''ششی نے خودکشی کر لی ہے۔''

اجے کو ایسا لگا جیسے کسی نے اُسے بہت بلندی سے نیچے دھکیل دیا ہو...... اچانک ہی بلڈنگ کے کمپاؤنڈ میں ایک زوردار دھماکے کی آواز ہوئی، ساتھ ہی ایک بھیانک چیخ گونجی...... اجے دوڑ کر باہر آ گیا۔ اگلے ہی پل وہ اس طرح کھڑا رہ گیا جیسے کسی نے اُسے پتھر کا بنا دیا ہو...... سامنے ہی لکشمی کی لاش پڑی تھی، خون میں لت پت! اُس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ بلڈنگ کے لوگ بڑی تیزی سے لکشمی کی لاش کے گرد جمع ہو رہے تھے۔

جانکی داس بھی بوجھل قدموں سے آگے بڑھا اور لکشمی کے پاس آ گیا۔ اُس نے لکشمی کی کھلی ہوئی آنکھیں بند کیں اور آہستہ سے بولا۔ ''میں نے تمہیں معاف کیا، بھگوان بھی تمہیں معاف کر دے گا۔'' پھر وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا کر رونے لگا۔

✿......✿
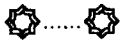
آفس کے دروازے پر دستک ہوئی تو عینک سرکا کر رمیش نے کہا۔ ''کم اِن۔''

دروازہ کھلا اور رمیش نے ریوالونگ چیئر سے کمر ٹکا کر کہا۔ ''ڈونٹ ڈسٹرب!''

دیویانی ہنس کر اُس کی کرسی کے ہتھے پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''یو آر لکنگ ٹاٹا اور برولا۔''

''تم اندر آنے کے لئے دستک مت دیا کرو دیویانی! تمہیں کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک ہفتے پہلے میرا پروگرام معلوم کر لیا کرو تاکہ میں تمہیں اگلے ہفتے کا وقت دے سکوں۔'' رمیش نے کہا۔

''اچھا چلو، آفس بند ہونے والا ہے۔ میں نے اپنی گاڑی ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دی ہے۔''

''لیکن مجھے ابھی دو گھنٹے اور لگیں گے۔''

''ناؤ گیٹ اپ......! ادر وائز......''

''او کے! تمہاری دھمکی سے ڈر لگتا ہے۔''

رمیش فائل بند کر کے اٹھا تو دیویانی نے بیک ریسٹ پر ٹنگا ہوا کوٹ اٹھایا اور

پہننے میں مدد دینے لگی۔ پھر وہ رمیش کی ٹائی درست کرنے لگی۔

رمیش نے اُسے روک دیا اور بولا۔ ”میں نے تمہیں گردن تک ہاتھ لے جانے کا اختیار نہیں دیا۔“

”دیکھتے ہیں کہ کب تک تم یہ اختیار نہیں دیتے۔“

دونوں باہر نکلے تو اسٹاف کے لوگ ادب سے کھڑے ہو گئے۔ دیویانی کے ساتھ رمیش باہر آ گیا۔ چپڑاسی اُس کا بریف کیس لے آیا۔ اُس نے کار کا دروازہ کھولا اور بریف کیس پچھلی سیٹ پر رکھ دیا۔ ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کی اور آگے بڑھا دی۔

رمیش نے دیویانی سے پوچھا۔ ”کوئی خاص پروگرام ہے؟“

”میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا خاص پروگرام ہو سکتا ہے کہ چند گھنٹے تمہارے ساتھ گزاروں۔ جانتے ہو، آفس کے بالکل انجان ورکر کیا سمجھتے ہیں؟“

”کیا؟“

”کہتے ہیں مالک بھی بیوقوف ہے، ایک سے ایک جوان پرسنل سیکرٹری مل سکتی تھی مگر اتنی عمر کی عورت رکھ لی۔“

”مجھے اس سے دُکھ ہوتا ہے دیویانی! اس فیکٹری کے باس کی کرسی پر تمہیں بیٹھنا چاہئے تھا۔ میں منیجر نہ سہی تمہارا پارٹنر تو بن سکتا تھا۔ مگر تم نے اپنے لئے پوسٹ بھی چنی تو نوکر کی۔“ یہ کہتے ہوئے رمیش کی آواز سے غم جھلک رہا تھا۔

”ارے تم مالک ہو تو سمجھو میں ہی مالک ہوں۔ یہ عہدہ ملنے کے بعد کم سے کم مجھے تو گندے دھندے سے نجات مل گئی۔ سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ میں نے اپنے شوہر کو اپنی آنکھوں سے مرتے ہوئے دیکھ لیا۔“ کچھ رُک کر وہ پھر بولی۔

”جانتے ہو اُس روز میں کتنی روئی تھی؟“

”کتنی؟“

”اتنی کہ لوگ مجھے شوہر پرست بیوی سمجھنے لگے تھے۔“ پھر وہ ہنس پڑی۔

رمیش معاً چونک کر بولا۔ ”ادھر کہاں؟“

”کیوں، کیا تم یہ راستہ بھول گئے؟“

”ہاں...... اور اب اسے ہمیشہ کے لئے بھول جانا چاہتا ہوں۔“

”اپنے گھر سے اس قدر خفا؟“

”آدمی اپنوں ہی سے خفا ہوتا ہے۔“

”تو کیا وہ اپنے نہیں رہے؟“

”ہاں، اُنہوں نے خود ہی مجھے غیر بنا دیا ہے۔“

”ہتھیار ڈال دیئے؟“

”جس گاڑی کے انجر پنجر ڈھیلے ہوں، اسے کب تک کوئی جیک لگا کر اٹھا سکتا ہے۔“

”پھر بھی کبھی کبھی خیر خبر لے لینی چاہئے۔ یہ تم کیسے بھول سکتے ہو کہ وہ سب تمہاری زندگی ہیں، تمہارا حصہ ہیں۔“ دیویانی بحث کرنے لگی۔

”کیا تمہارا شوہر تمہاری زندگی کا حصہ نہیں تھا؟“

”میں نے تو آخر تک اُس کا ساتھ دیا۔ اُسے شراب فراہم کرنے اور اس کی ضروریات پوری کرنے کے لئے میں جتنی گر گئی، اس سے زیادہ اور کتنی گرتی؟“

”خیر......“ رمیش نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ ”جہاں تک میرا معاملہ ہے دیویانی، تو ان لوگوں کو اب میری ضرورت نہیں رہی۔ پھر میں کیوں ان کے لئے کڑھوں اور جلوں...... کیوں اپنا دماغ خراب کروں......؟ جب انہیں میری ضرورت ہو گی تو خود ہی مجھے ڈھونڈ لیں گے۔“

”ممکن ہے انہیں آج ہی تمہاری ضرورت ہو۔“ دیویانی کی بات سن کر رمیش چونک اُٹھا۔

کار پی سی او کے سامنے رُک گئی تو اجے نظر آیا۔ وہ بس سے اتر کر بلڈنگ کے اندر جا رہا تھا۔ رمیش پر نظر پڑتے ہی وہ رُک گیا۔ رمیش کار سے اترا تو اجے اُس کی طرف لپکا۔ اجے کی حالت بتا رہی تھی کہ جیسے وہ برسوں کا مریض ہو۔ اُس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے، رنگت پیلی ہو رہی تھی، آنکھیں ویران تھیں۔

”اجے! تم ٹھیک تو ہو؟“ رمیش نے اُس سے پوچھا۔

”ہاں، آفس سے آ رہا ہوں۔“ اجے نے تھکے تھکے سے انداز میں جواب دیا۔

”جانکی داس کیسے ہیں؟“

"وہ تو ہمیشہ کے لئے ہری دوار چلے گئے۔"

"کیا لکشمی بھابھی سے پھر جھگڑا......"

"آنٹی نے تو جھگڑے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کر لی۔" اجے نے بتایا، پھر تفصیل بیان کرنے لگا۔ اُس نے پڑوسی نوجوان سریندر کا ذکر بھی کیا کہ وہ بمبئی سے اپنے شہر واپس جا چکا ہے۔ کوئی اُسے اپنی فلم میں چپڑاسی تک کا کردار دینے پر بھی آمادہ نہیں ہوا۔ آخر میں اجے نے ششی کے بارے میں بتایا۔

رمیش سناٹے میں کھڑا رہ گیا، پھر زیر لب کہا۔ "اس...... بلڈنگ...... یہاں کی تو دنیا ہی بدل گئی۔"

اجے کی آنکھیں چھلک اُٹھیں۔ وہ دھیمی آواز میں بولا۔ "مجھے کمپنی نے کوارٹر دے دیا تھا مگر اب میں نے اسی فلیٹ میں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" پھر اُس نے ایک دُکھی مسکراہٹ کے ساتھ رمیش کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ "جاننا...... کیا اور بھی کچھ جاننا چاہیں گے؟"

رمیش نے اُس کے کندھے کو تھپک کر کہا۔ "کچھ باتیں صرف محسوس کرنے کی ہوتی ہیں۔ مجھے مزید کچھ نہیں پوچھنا۔"

✿......✿
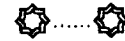
سلوچنا نے پوری طاقت سے چیخ کر انوپ سے کہا۔ "ارے تو جا رہا ہے یا نہیں؟"

"میری ٹانگوں میں چلنے کی طاقت نہیں ہے۔" انوپ نے جواب دیا۔

"چلنے سے طاقت آ جائے گی۔"

"ماں! پچھلی بار بھی جب تم نے مجھے بھیجا تھا، اس وقت بھی میں چوبیس گھنٹوں کا بھوکا تھا جبکہ موسی کے ہاں اُن کے داماد، بیٹی، بیٹے اور بہو کی دعوت تھی۔ وہاں عمدہ عمدہ کھانے تیار ہو رہے تھے مگر میرے مانگنے پر بھی انہوں نے تھوڑا سا آٹا نہیں دیا۔ ماں! انہوں نے کہا تھا کہ ہم نے کوئی یتیم خانہ نہیں کھول رکھا۔ پتہ ہے، میں نے پینے کو پانی مانگا تو مجھے پانی بھی نہیں پلایا، کھانا تو دُور کی بات ہے۔" انوپ نے بچوں جیسے لہجے میں سلوچنا کو بتایا۔

"کیوں بکواس کرتا ہے کمبخت! وہ تو خود ہی دانے دانے کو محتاج ہیں۔" سلوچنا بولی۔ "ہمارے سوا ان کا ہے کون؟"

انوپ کچھ نہ بولا اور بڑبڑاتا ہوا گیلری میں چلا گیا۔ حسب معمول اُس نے دُور بین آنکھوں سے لگا لی۔ رمیش کو دیکھتے ہی وہ اُچھلا۔

"ماں! آ گئی پتی، چینی، آٹا، چاول اور بھاجی!" انوپ چیخ کر بولا۔

"کیا بکواس کر رہا ہے!" سلوچنا بالکنی میں آتے ہوئے بولی۔

"ماں! ڈیڈی آئے ہیں تو یہ سب چیزیں بھی ساتھ لائے ہوں گے۔" یہ انوپ نہیں، اُس کی بھوک بول رہی تھی۔

سلوچنا نے سامنے کی طرف دیکھا تو تنک کر کہا۔ "بڈھی گھوڑی لال لگام! عمر بیت گئی مگر اس چھپکلی کو بغل میں دبا کر گھومنے کا شوق نہیں گیا۔" اُس کا اشارہ دیویانی کی طرف تھا جو رمیش کے ساتھ تھی۔ "اسی چھپکلی کی وجہ سے گھر بار چھوڑ دیا۔ بھاڑ میں جائیں! تو خود نیچے چلا جا اور جو کچھ لائے ہوں، ان سے لے آ۔ اوپر آ کے کیا کریں گے۔" سلوچنا کا منہ بن گیا۔ "اگر وہ کسی عورت کو ساتھ لے کر اوپر آ گئے تو دھکے دے کے نکال دوں گی کمینی کو۔"

پھر انوپ ہی نے سلوچنا کو بتایا کہ رمیش واپس جا رہا ہے۔ یہ بتاتے ہوئے انوپ کا گلا رندھ گیا تھا۔

رمیش دیویانی کا ہاتھ تھامے واقعی کار میں بیٹھ کر واپس چلا گیا۔ سلوچنا ہارے ہوئے جواری کی طرح تلملا کر بولی۔ "جاؤ...... چلے جاؤ! ہمارے لئے تو تم پہلے ہی مر گئے تھے۔ یہاں کسی کو تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ تم نے میری بیٹی کی زندگی میں زہر گھول دیا ہے۔"

اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ سلوچنا نے دروازہ کھولا تو دھک سے رہ گئی۔ اُسے جیسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا......!

✿......✿

نڈھال نڈھال اور تھکی ہوئی امرتا اُس کے سامنے کھڑی تھی۔ اُس کے جسم پر اب بھی کشور کے دلائے ہوئے کپڑے تھے، مگر میلے اور شکن در شکن! یہ کوئی اور ہی امرتا لگ رہی تھی، اُڑی اُڑی سی رنگت، پیلا چہرہ اور سینے میں ایک ٹوٹا ہوا دل! اُس کے ہاتھ میں کچھ تھیلے تھے۔

وہ اندر آ گئی تو سلوچنا سے اُس سے پوچھا۔ ''تو کدھر سے آئی؟''

''پچھلے گیٹ سے۔ سامنے ڈیڈی کی گاڑی کھڑی تھی۔'' امرتا نے بجھے ہوئے لہجے میں جواب دیا، پھر اُس نے سلوچنا کو تھیلے تھما دیئے۔ ''لو ماں، ان تھیلوں میں کچھ آٹا، دالیں، چینی، چاول اور چائے کی پتی ہے۔''

''تو کہاں سے اتنا سودا لے آئی؟'' سلوچنا نے سوال کیا۔

''اپنی کتابیں بیچ دیں میں نے...... چھ ماہ کی فیس چڑھ گئی تھی، میں نے سوچا کہاں سے ادا کروں گی، آگے بھی تعلیم جاری رکھنا ممکن نہیں تو پھر کتابیں کس کام کی۔''

''شکر ہے بھگوان کا۔ کل سے گھر میں چولہا نہیں جلا۔ بھوک کے مارے پیٹ میں آگ سی لگی ہوئی ہے۔ پھر تیری فکر الگ تھی کہ کہاں گئی۔''

''میں کسی چھوٹے موٹے کام کی تلاش میں تھی، مگر ماں! یہ بمبئی ہے، جس کی فٹ پاتھوں پر روز نہ جانے کتنے بھوکے لوگ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے ہیں اور انہیں کوئی کام نہیں ملتا...... ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ یہ بتاؤ، کشور آیا تھا؟''

''نہیں۔'' سلوچنا نے جواب دیا، پھر امرتا سے دریافت کیا۔ ''تو نے اُسے فون کیا؟''

''کئی بار...... ہر مرتبہ یہی جواب ملتا ہے، ہیں نہیں۔''

''یہ سب تیرے ڈیڈی کا کیا دھرا ہے۔'' سلوچنا دانت پیس کر بولی۔ ''نہ وہ اتنا ہنگامہ کرتے، نہ کشور کا آنا جانا بند ہوتا۔''

سلوچنا کے استفسار پر امرتا نے اُسے اپنی سہیلی ورشا کے بارے میں یہ بھی بتا دیا کہ رمیش اس کے تعلیمی اخراجات برداشت کر رہا ہے۔ اس پر سلوچنا نے الزام تراشی کی تو امرتا کہنے لگی۔ ''کیوں ایسی باتیں زبان پر لاتی ہو ماں جن سے گناہ لازم ہو جائے۔ ورشا کا کہنا ہے کہ ڈیڈی اُسے اپنی بیٹی سمجھتے ہیں۔''

''اور اپنی سگی بیٹی غیر ہو گئی۔ تجھے ہو گا یقین ان باتوں پر، مجھے نہیں ہے۔'' سلوچنا بولی، پھر امرتا کو سمجھانے لگی۔ ''یہ افواہ بھی تیرے ڈیڈی کی اڑائی ہوئی ہے کہ کشور یہاں سے امریکہ فرار ہو رہا ہے۔ وہ بے چارہ اس وقت پابندیوں میں ہے ورنہ تیرے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔''

امرتا خاموشی سے کمرے میں چلی گئی اور سلوچنا کچن میں جا کے کھانا پکانے لگی۔

✿......✿
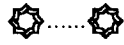
رمیش نے موبائل کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو......''

''انکل، میں ورشا بول رہی ہوں۔''

''مبارک ہو بیٹی...... تم یقیناً فرسٹ کلاس پاس......''

''مگر انکل آپ کو کیسے پتہ چلا......؟ یہ سب آپ کی سرپرستی کا نتیجہ ہے۔ اگر آپ مجھے سہارا نہ دیتے تو......''

رمیش نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ''ایسی باتیں نہیں کرتے بیٹی! کوئی کسی کے لئے کچھ نہیں کرتا۔ سب کرنی کا پھل ہوتا ہے۔ خیر...... میں شام کو آؤں گا۔''

''او کے انکل......! اور ہاں امرتا امتحان میں نہیں بیٹھی حالانکہ میں نے اُس کی فیس جمع کرا دی تھی آپ کے حکم پر۔''

''تم نے بلڈنگ کے پی سی او پر اُس کے لئے پیغام چھوڑا تھا؟'' رمیش نے معلوم کیا۔

''جی ہاں انکل! مگر پی سی او والے کہہ رہے تھے، انہیں آنٹی نے یہ کہہ کر جھڑک دیا کہ آپ کا کوئی پیغام امرتا کو نہ دیا جائے۔ انوپ کو بھی کسی پیغام کے بارے میں

نہ بتایا جائے، صرف آنٹی کو پیغام ملنا چاہئے۔''

رمیش کے ہونٹ سختی سے بھنچ گئے۔ ''اچھا ٹھیک ہے۔'' کہہ کر اُس نے موبائل بند کر دیا۔ اسی وقت انٹر کام کی بیل ہوئی۔ رمیش نے ریسیور اُٹھا کر کہا۔ ''ہاں بولو!''

''سر! آپ سے شنکر نام کا ایک نوجوان ملنا چاہتا ہے۔''

''بھیج دو۔''

کچھ دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی، پھر دروازہ کھلا اور ایک نوجوان اندر داخل ہوا۔ اُس کے جسم پر سادہ سی پتلون قمیض تھی۔ اُس نے ادب سے ''نمستے'' کہا تو رمیش نے سامنے والی کرسی پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔

''ہوں......تو تمہیں دیویانی نے بھیجا ہے۔'' رمیش نے یہ کہہ کر دراز سے ایک درخواست نکالی۔

''سر! میرے ساتھ دو ٹریجڈیز ہوئی ہیں۔'' شنکر نے کہا۔ ''مجھ پر اکاؤنٹ میں گھپلے کا الزام ہے اور چھ مہینے کی سزا۔ دوسرے یہ کہ میں ایک یتیم خانے میں پلا ہوں۔ آپ تو جانتے ہوں گے سر کہ ایسے بچوں کے والدین کا کچھ پتہ نہیں ہوتا۔''

رمیش نے اُس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔ ''تم نے ایم اے کیا ہے نا؟'' شنکر نے اقرار میں سر ہلایا تو رمیش نے پوچھا۔ ''کہاں رہتے ہو؟''

''سر! مجھے تین روز پہلے ہی جیل سے رہائی ملی ہے۔ میں آنٹی کی کار سے ٹکرا گیا تھا، اس طرح اُن سے میرا تعارف ہوا۔ انہوں نے مجھ سے درخواست لی اور پھر آج آپ سے ملنے کو کہا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ یہ سب جاننے کے بعد ملازمت نہیں دیں گے، پھر بھی آنٹی دیویانی کے حوصلہ دلانے پر یہاں آ گیا ہوں۔'' شنکر بولا۔

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے رہنے کا کوئی بندوبست نہیں۔'' رمیش نے یہ کہہ کر انٹر کام پر دیویانی سے رابطہ قائم کیا اور بتایا۔ ''تمہارا کینڈیڈیٹ آ گیا ہے۔ اس کے لئے ایک اپائنٹمنٹ لیٹر ٹائپ کرا دو...... اس کے لئے تمہیں فیکٹری میں کوارٹر بھی الاٹ کرانا ہے۔ سرپرست کے طور پر اپنا نام لکھ دینا......! کیا کہا، تم ہوٹل کے بجائے اب اپنے بنگلے میں...... اچھا ٹھیک ہے، میں تم سے وہیں مل لوں گا۔'' اس وقت ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ رمیش نے ریسیور رکھ دیا اور شنکر سے مخاطب ہوا۔

''میرے ساتھ چلو!'' پھر وہ شنکر کے ساتھ باہر آ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد اُس کی کار سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ شنکر بڑے ادب کے ساتھ اُس کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔ رمیش نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے شنکر کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''میں تم سے ایک بالکل ذاتی سوال کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم اپنے مستقبل سے مایوس ہو چکے تھے؟''

''سر! میں نے تو اپنے آپ کو اسی دن مُردہ سمجھ لیا تھا جب جیل گیا تھا۔ لیکن دیویانی آنٹی اور آپ نے مجھے پھر سے زندہ کر دیا ہے۔'' شنکر نے جواب دیا۔

''اور اگر ہم تمہاری یہ زندگی کسی نیک کام کے لئے مانگیں تو کیا''

''سر! میں اپنا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں گا۔ آپ حکم تو کریں۔'' شنکر بول اٹھا۔

''ہماری ایک بہت ہی خوبصورت اور تعلیم یافتہ منہ بولی بیٹی ہے۔ ہم تمہیں اندھیرے میں رکھنا نہیں چاہتے کہ زندگی کے تیز دھارے میں وہ اپنا قدم ٹھیک سے نہیں جما سکی۔ سمجھ رہے ہو نا......! ایک خود غرض و بے رحم نوجوان نے اُس کی مجبوریوں کو خرید لیا۔''

''میں سمجھ گیا سر! میرے لئے وہ لڑکی آپ کے اور دیویانی آنٹی کے توسط سے بھگوان کا تحفہ ہوگی۔'' شنکر کی آواز میں اعتماد تھا۔

''ٹھیک ہے، اب میں مطمئن ہوں۔'' رمیش نے اطمینان کا اظہار کیا۔

پھر بقیہ سفر خاموشی سے طے ہوا اور کار، کھولیوں کے قریب رُک گئی۔ ورشا دوڑتی ہوئی کار کی طرف آئی۔

''جیتی رہو بیٹی!'' رمیش نے ورشا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''بھگوان تمہاری زندگی خوشیوں سے بھر دے۔'' اس دوران شنکر بھی کار سے اُتر آیا۔ ذرا توقف سے رمیش نے ورشا کو پھر مخاطب کیا۔ ''تمہیں ایک نئے مہمان سے ملوانا ہے۔ کھولی میں چل کر بیٹھیں گے، کھانا بھی کھائیں گے۔''

ورشا اُنہیں لے کر اپنی کھولی کی طرف چل دی۔ ایک جگہ چبوترے پر ورشا کا سوتیلا باپ گوپی چند بیٹھا تھا۔ اُس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے تھے، داڑھی بڑھ گئی تھی۔ اُس کے اطراف مکھیاں بھنک رہی تھیں۔ وہ لوگ اُس کے پاس سے گزرے تو

گوپی چند بھاری آواز میں بولا۔ ''بہت بھوک لگی ہے۔''

''اسے کھانا نہیں دیا؟'' رمیش نے ورشا سے پوچھا۔

''دوپہر کو دیا تو تھا۔'' ورشا نے بتایا۔

''اچھا اب پہلے اسے کھانا دو، پھر ہم کھائیں گے۔'' رمیش نے کہا۔

❁......❁
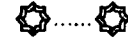
بنگلے میں بڑی رونق تھی۔ پورا بنگلہ سجا ہوا تھا۔ ورشا کے سبھی پڑوسی انتظام میں لگے تھے۔ ایک کمرے میں دیویانی، ورشا کو دُلہن بنا رہی تھی۔ ورشا کی آنکھیں بار بار چھلک اُٹھتی تھیں۔ بنگلے کے گیٹ پر رمیش بند گلے کا کوٹ پہنے اور سر پر لمبی سی پگڑی باندھے کھڑا تھا۔ وہ آنے والوں کو خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ ''اگنی کنڈ'' کے گرد رکھے پیڑوں میں سے ایک پر شنکر دُولہا بنا بیٹھا تھا۔

جب پنڈت نے مہورت کا اعلان کیا تو رمیش اندر آ گیا۔

دیویانی بہت سی لڑکیوں کے ساتھ ورشا کو لے کر باہر آئی۔ دُلہن کے سرخ لباس میں ورشا غضب ڈھا رہی تھی۔ اُسے شنکر کے قریب رکھے دوسرے پیڑے پر بٹھا دیا گیا۔ پنڈت نے اشلوک پڑھنے شروع کیے۔ رمیش نے ''کنیادان'' کیا۔ اس کے تصور میں دُلہن بنی ہوئی امرتا اُبھر آئی تھی۔ اُسے جذباتی کشمکش میں مبتلا محسوس کر کے دیویانی نے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ شنکر اور ورشا کے پھیرے ہوئے۔ ان دونوں نے رمیش اور دیویانی کے پیر چھوئے۔ رمیش نے شنکر کو ایک فیئٹ کار کی چابی دی۔ فیکٹری کوارٹر کی کنجی اور پچاس ہزار روپے کا چیک کار کے علاوہ تھا۔

جب رخصتی کا وقت آیا تو رمیش کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ ورشا بھی اُس سے لپٹ کر رونے لگی۔ بڑی مشکل سے رمیش نے خود کو سنبھالا۔ دیویانی نے شنکر اور ورشا کو کار تک پہنچایا اور پھر دُولہا دُلہن رخصت ہو گئے۔

''امرتا...... میری بیٹی رخصت ہو گئی!'' رمیش بھرائی ہوئی آواز میں دیویانی سے کہنے لگا۔ پھر اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

❁......❁
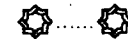
دیویانی نے موبائل پر رمیش کو بتایا۔ ''کل کشور صبح کی فلائٹ سے نیو یارک جا

رہا ہے۔ میں نے ورشا کی رخصتی والی رات کو تمہاری آنکھوں کی فریاد سن لی تھی۔ رمیش! رشتوں کی زنجیریں توڑ دینا اتنا آسان نہیں ہوتا۔''

''کیا یہ احساس صرف مجھ کو ہونا چاہئے؟''

''کسی بہرے سے تم یہ اُمید کیسے کر سکتے ہو کہ وہ تمہاری بات سن لے گا؟'' دیویانی بولی۔

''تو پھر مجھے بھی گونگا ہی سمجھو۔''

''رمیش! اگر کشور امریکہ چلا گیا تو سب سے زیادہ دُکھ تمہی کو ہوگا، یہ میں خوب سمجھتی ہوں۔''

''غلط فہمی ہے تمہاری۔''

''اگر تم واقعی مجھ سے اب بھی پیار کرتے ہو تو پھر میری ایک بات مانو۔''

''میں صرف پیغام بھجوا سکتا ہوں، اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔''

''اچھا تو پھر پیغام ہی بھجوا دو۔''

رمیش نے رابطہ منقطع کیا اور دوسرا نمبر ملایا۔ چند لمحوں کے بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''ہیلو انکل! میں ورشا ہوں۔''

''ورشا بیٹی! تمہیں ایک ضروری کام کرنا ہے۔ تم کسی طرح امرتا تک یہ پیغام پہنچا دو کہ کشور کل صبح آٹھ بجے کی فلائٹ سے نیو یارک جا رہا ہے، مگر یہ بات نہ تو سلوچنا کو پتہ چلے اور نہ انوپ کو۔'' رمیش کے چہرے سے انتہائی بے چینی کا اظہار ہو رہا تھا۔

❁......❁
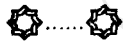
ورشا نے ٹیکسی بلڈنگ کے سامنے رُکوائی۔ وہ کرایہ ادا کر رہی تھی کہ اُس نے امرتا کو بلڈنگ کے پھاٹک سے نکلتے دیکھا۔ امرتا اُسے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ امرتا کی صورت سے لگ رہا تھا جیسے وہ برسوں کی بیمار ہو۔ اُس کی کیفیت دیکھ کر ورشا کے دل پر گھونسا سا لگا۔

''امرتا!'' اُس نے دھیمی آواز میں پکارا۔

امرتا کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ وہ کوئی جواب دیئے بغیر پی سی او میں گھسنے لگی۔

''امرتا پلیز! تمہارے لئے ایک ضروری پیغام ہے۔'' ورشا اس بار بلند آواز میں بولی۔

امرتا نے پلٹ کر نفرت سے کہا۔ ''میں جانتی ہوں کس کا پیغام ہے، تمہارے چہیتے انکل کا نا؟ آئی ہیٹ یو! گیٹ لاسٹ! مجھے کچھ نہیں سننا۔''

ورشا کھڑی رہ گئی اور امرتا پی سی او میں داخل ہو گئی۔ اُس نے کوئی نمبر ملایا تو دوسری جانب سے ایک نسوانی آواز آئی۔ ''ہیلو!''

امرتا نے جلدی سے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر پی سی او کے مالک کو خوشامدی انداز میں مخاطب کیا۔ ''پریم انکل! پلیز کشور کو بلوا دیجئے۔''

پریم نے امرتا سے ریسیور لے لیا اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''ہیلو......! جی مجھے کشور سے بات کرنی ہے۔''

''تم آواز سے تو بوڑھے لگتے ہو، تمہیں شرم نہیں آتی لڑکیوں کی دلالی کرتے ہوئے۔ میں جانتی ہوں، کشور کے لئے کون بار بار فون کراتا ہے......سنو بوڑھے! تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ سدھر جاؤ۔ اگر آئندہ تم نے فون کیا تو میں پولیس کو فون کر دوں گی۔'' انہی الفاظ کے ساتھ رابطہ منقطع ہو گیا۔

پریم نے ریسیور رکھ کر امرتا کو بتا دیا کہ دوسری طرف سے کیا جواب ملا ہے۔ یہ سن کر امرتا پیلی پڑ گئی۔ وہ پی سی او سے باہر نکلی تو ورشا ابھی تک سامنے کھڑی تھی۔

امرتا نے حقارت سے کہا۔ ''جا کر بتا دینا اپنے چہیتے انکل کو کہ یہ ہیں ان کے کرتوت......''

''تم نے کشور کو فون کیا تھا نا......؟ اُس کی ممی نے جواب دیا ہو گا۔''

''ورشا! میں نے تمہیں اپنی سہیلی سمجھ کر غلطی کی تھی۔ تم ہی نے کشور کو مجھ سے چھینا ہے۔ وہ مجھ سے پیار کرتا تھا، اُس نے میری خاطر تمہیں ٹھکرا دیا۔ تم نے مجھ سے اسی کا انتقام لیا ہے۔''

امرتا اور ورشا کچھ دیر ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی رہیں، یوں جیسے ایک دوسرے کی طاقت و قوت کا اندازہ کر رہی ہوں۔

''امرتا!'' معاً ورشا بول اُٹھی۔ ''تم نے تو کبھی صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط نہیں سمجھا۔ تم

نے اپنے ہمدردوں کو دشمن اور دشمنوں کو دوست جانا۔ کشور تو کبھی کسی لڑکی کے ساتھ سیریس ہوا ہی نہیں۔ وہ تو ستمگر ہے...... اُس نے تمہیں اپنے جال میں پھانسنے کے لئے پھیروں کا ناٹک کیا تھا، تم سنجیدہ ہو گئیں۔ میں نے تمہیں خبردار کرنا چاہا تو تم اسے میری دشمنی سمجھیں۔ انکل نے دنیا دیکھی ہے اور وہ تمہیں بھی اپنی آنکھوں سے دنیا دکھانا چاہتے تھے، مگر تم نے اپنے باپ کو بھی دشمن سمجھا۔ تمہیں یاد ہو گا کہ کشور کے باہر جانے کی خبر سب سے پہلے انکل ہی نے تمہیں دی تھی۔ وہ خبر انکل کو میں نے دی تھی، مگر تم نے اسے بھی میرا کھیل جانا۔ آخر کشور کی ممی بھی تو آئی تھیں تمہارے گھر۔ اُنہوں نے اتنا شور مچایا، اتنا ہنگامہ کیا۔ وہ کشور کے سامنے تمہیں بتا گئی تھیں کہ کشور کی شادی امریکہ میں کریں گی، پھر بھی تمہاری آنکھیں نہیں کھلیں۔ انکل نے ہمیشہ تمہارا بھلا چاہا، مگر تم...... یہ تمہاری بدنصیبی ہی تو تھی کہ آج یہ سب تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔''

''اور کچھ کہنا ہے تمہیں؟'' امرتا کی آواز میں رُوکھا پن تھا۔

''ہاں بہت کچھ کہنا ہے۔ کیونکہ اگر یہ لمحے گزر گئے تو پھر کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔''

''یہ تم نہیں، تمہارے انکل بول رہے ہیں۔''

''ہاں انکل نے مجھے وہ مقام دیا ہے جو تم نے اُن سے چھین لیا تھا۔ وہ مجھے تمہاری طرح اپنی بیٹی سمجھتے ہیں۔ انکل ہی نے مجھے گوپی چند کے ظلم سے نجات دلائی، مجھے پڑھایا لکھایا اور پھر ایک خوبصورت نوجوان سے میری شادی کرا دی۔ تم تو بدقسمت ہو امرتا کہ تم نے پھیروں کے وقت اپنے باپ کو کنیا دان کا موقع بھی نہیں دیا۔ اسی کی سزا تو تم آج بھگت رہی ہو۔ میں نے اُن کی منہ بولی بیٹی ہو کر بھی ان کے حکم کو نہیں ٹالا۔ جس لڑکے کو کبھی میں نے دیکھا تک نہیں تھا، اُس کے ساتھ پھیرے کئے اور اب میں اپنے گھر میں بے حد خوش اور مطمئن ہوں۔ یہ وہ خوشی ہے جس پر تمہارا بھی حق تھا۔''

''مگر میرا حق تو تم نے چھین لیا۔'' امرتا بولی۔ ''چھ ماہ کی فیس ادا نہ کرنے کی وجہ سے میں امتحان میں بھی نہ بیٹھ سکی۔ اس کے برعکس تمہارے انکل نے تمہاری فیس ادا

کر کے تمہیں تعلیم یافتہ بنا دیا۔"

اس دوران دونوں باتیں کرتے کرتے پی سی او میں آ گئی تھیں۔ یہ اُن کا نادانستہ عمل تھا۔ غالباً لاشعوری طور پر وہ کسی غیر متعلق آدمی کو اپنی باتیں سنانا نہیں چاہتی تھیں۔ پی سی او کا مالک پریم البتہ ان دونوں ہی کے لئے کوئی غیر نہیں تھا۔ ورشا نے اسی سبب پریم کو مخاطب کیا۔ "پریم چاچا! میں نے آپ کو فون پر بتایا تھا نا کہ امرتا کی فیس انکل نے جمع کرا دی ہے؟"

"ہاں بیٹی، تم نے یہ اطلاع دی تھی مجھے۔"

"تو یہ اطلاع امرتا تک کیوں نہ پہنچی؟" ورشا نے سوال کیا۔

اس پر پریم نے بتایا کہ سلوچنا بہن جی نے مجھے منع کر دیا تھا۔ انہوں نے بہن ہونے کے ناتے مجھے حکم دیا تھا کہ رمیش بابو کی طرف سے آیا ہوا کوئی پیغام امرتا یا انوپ کو نہ دیا جائے۔

ورشا نے امرتا کو خاصی دیر تک سمجھانے کے بعد کہا۔ "کل صبح ساڑھے آٹھ بجے کی فلائٹ سے کشور امریکہ جا رہا ہے۔"

"نن...... نہیں...... تم جھوٹ...... جھوٹ بول رہی ہو۔" امرتا اس طرح پیچھے ہٹی جیسے کوئی اُس پر حملہ کرنے والا ہو۔ "کشور باہر نہیں جا سکتا۔"

"مگر وہ جا رہا ہے پگلی! ایسا تیری بے وقوفی ہی سے تو ہو رہا ہے۔ تو نے اپنی ماں پر بھروسہ کیا اور ان کے اشاروں پر ناچتی رہی۔ کاش تو نے اپنے ڈیڈی پر بھروسہ کیا ہوتا امرتا!" ورشا بولی۔

"لیکن ڈیڈی کیا کر رہے ہیں؟"

"اُنہوں نے صرف پیغام بھجوایا ہے اور دیکھ رہے ہیں کہ تم ماں بیٹی کیا کرتی ہو۔ ابھی وقت ہے امرتا، اپنی ماں کے ذہن اور طاقت کو بھی آزما لو۔ دیکھو کہ وہ کشور کو باہر جانے سے روکنے میں کامیاب ہوتی ہیں یا نہیں۔"

دوسرے ہی لمحے امرتا مُڑی اور اضطراری حالت میں بلڈنگ کے اندر دوڑتی چلی گئی۔ ورشا بڑے دُکھ کے ساتھ اُسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے پی سی او سے رمیش کا نمبر ملایا۔ اُس کا موبائل بند تھا۔ مایوس ہو کر اُس نے دیویانی سے

رابطہ قائم کرنا چاہا مگر ناکام رہی۔ تھک ہار کر وہ پی سی او سے باہر آ گئی۔

دوسری جانب امرتا سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر پہنچی اور زور زور سے دروازہ پیٹنے لگی۔ دروازہ کھلتے ہی وہ کسی آندھی کی طرح اندر داخل ہوئی اور زور سے چیخی۔

"ماں!"

"ارے کیا ہوا، کیوں چیخ رہی ہے؟"

"غضب ہو گیا ماں...... کشور بھاگ رہا ہے۔" امرتا نے جواب دیا۔

"کیوں؟ کسی کا خون کر کے بھاگ رہا ہے؟"

"ماں، وہ بھارت چھوڑ کر امریکہ جا رہا ہے۔"

"اب کس نے اُڑائی یہ بے پر کی؟"

"ماں! یہ سچ ہے۔"

"تیرے ڈیڈی نے بھجوائی ہو گی یہ خبر؟"

"ہاں ماں!" امرتا نے اقرار کر دیا۔

"کیا اُن کے جاسوس اب ہمارے پڑوس میں بھی آ کر رہنے لگے ہیں؟"

اچانک امرتا نے سلوچنا کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اُسے دیوانوں کی طرح ہلانا شروع کر دیا۔ "ماں! میں کہ رہی ہوں، کشور بھاگ رہا ہے اور تم اس قدر مطمئن نظر آ رہی ہو۔"

"یہ خبر سنتے سنتے تو اب میرے کان پک گئے ہیں۔ کیا تجھے بھی کشور کے پیار پر بھروسہ نہیں رہا؟"

"کیسا بھروسہ......؟ وہ کئی مہینوں سے غائب ہے۔ اُس نے پلٹ کر پوچھا بھی نہیں، فون پر بھی نہیں ملتا۔"

"یہ سب تیرے ڈیڈی کے کرتوت ہیں۔ نہ وہ کشور کے گھر والوں کو باخبر کرتے، نہ کشور پر ایسی پابندیاں لگتیں...... تو کیا سمجھتی ہے وہ دانستہ تجھ سے دامن بچا رہا ہے......؟" سلوچنا اپنی دانست میں امرتا کو سمجھانے لگی۔ "دیکھ بیٹی، ہر رشتے کو غلط سمجھ لینا مگر اس مقدس رشتے کو کبھی غلط نہ سمجھنا۔"

"تو کیا تمہارا اور ڈیڈی کا رشتہ مقدس نہیں ہے؟"

"کس کی بات کر رہی ہے تو؟ شادی سے پہلے وہ دیویانی کے چکر میں رہتے تھے۔"

"ماں، یہ ساری بحث بعد میں کرنا۔ اگر کشور چلا گیا تو میری زندگی ہمیشہ کے لئے برباد ہو جائے گی۔"

"اگر یہ خبر صحیح ہے تو تیرے ڈیڈی نے کیا کیا؟ وہ کیوں ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں؟"

"تمہی نے تو اُن سے کہا تھا کہ وہ اب ہمارے لئے مر چکے ہیں۔ تم نے اُن سے یہ بھی کہا تھا کہ ہمارے معاملات میں دخل اندازی نہ کریں۔" امرتا نے کہا۔

"یہ خبر غلط ہوئی تو؟" سلوچنا نے سوال کیا۔

"تو کیا ہم یہ سوچ کر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں کہ خبر غلط بھی ہو سکتی ہے؟" امرتا بولی۔ "اگر کرایہ نہیں تو میں ابھی اجے سے لے کر آتی ہوں۔"

✪......✪
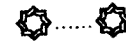
ٹیکسی رُک گئی تو امرتا نے ایک راہ گیر سے پوچھا۔ "ذرا سنئے بھائی صاحب!"

وہ پلٹ کر ٹیکسی کے پاس آیا تو امرتا نے اُس سے پوچھا۔ "یہاں کوئی کشور بابو رہتے ہیں؟ وہ گوتم داس جی کے بیٹے ہیں۔"

"چوتھا بنگلہ ہے اُن کا۔ آپ لوگ شاید کسی اور شہر کے ہیں جو آپ کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کشور بابو امریکہ جا رہے ہیں۔"

امرتا کا دل دھک سے رہ گیا۔ اُس نے راہ گیر سے دریافت کیا۔ "آپ کیا قریب ہی رہتے ہیں؟"

"جی ہاں۔ یہاں جج صاحب کی کوٹھی ہے، میں اُس میں کام کرتا ہوں۔"

"تو پھر کشور بابو کے بنگلے میں آپ کا آنا جانا ہوگا۔"

"ارے بی بی، میں نے تو کشور بابو کو اپنی گود میں کھلایا ہے...... مگر آپ لوگ کون ہیں؟"

امرتا نے سلوچنا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ کشور کی موسی ہیں۔ بچپن میں انہوں نے بھی کشور کو اپنی گود میں کھلایا ہے...... ہم لوگ چونکہ غریب ہیں اس لئے وہ

ہم سے نہیں ملتے۔ حالانکہ کشور اپنی ان موسی سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

"تو پھر؟"

"جب انہوں نے سنا کہ کشور بابو امریکہ جا رہے ہیں تو ان کا روتے روتے برا حال ہو گیا۔" امرتا نے بات بنائی۔

"اچھا......" راہ گیر بوڑھے نے حیرت کا اظہار کیا۔

"کشور بھی ان سے ملنے نہیں آئے۔" امرتا نے کہا۔

"یہ تو بڑے دُکھ کی بات ہے۔" بوڑھے راہ گیر نے اظہار افسوس کیا۔

"بھائی صاحب! موسی تو اندر جا نہیں سکتیں۔" امرتا بدستور دروغ گوئی سے کام لیتی رہی۔ "کشور کو آخری بار دیکھنا چاہتی ہیں۔ آپ اتنی مہربانی کر دیجئے کہ کسی بھی بہانے کشور بابو کو باہر بلا دیجئے۔"

"دیکھئے میں کوشش کرتا ہوں۔" پھر وہ راہ گیر کشور کے بنگلے کی طرف چلا گیا اور چوکیدار سے بولا۔ "ایک کام کر دے گا کاکا؟"

"ہاں بولو۔"

"اُدھر ایک لڑکی بڑھیا کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھی ہے۔ وہ بڑھیا کشور بابو کو اپنا بھانجا بتا رہی ہے اور کشور بابو کے امریکہ جانے سے پہلے آخری بار ملنا چاہتی ہے۔"

"دونوں گوری گوری سی ہیں نا؟" چوکیدار نے تصدیق چاہی۔

"ہاں، اور دونوں پریشان بھی لگ رہی ہیں۔" راہ گیر نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، میں کہہ دیتا ہوں۔ تم جاؤ اور ٹیکسی ادھر بھیج دو۔" چوکیدار کی بات سن کر راہ گیر بوڑھا واپس چلا گیا۔ چوکیدار نے اپنی کوٹھری میں گھس کر انٹرکام کا ریسیور اٹھایا۔

"ہاں چوکیدار بولو!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"مالکن! شاید وہی دونوں آئی ہیں۔"

"تو پتہ چل گیا انہیں...... کہاں ہیں؟"

"ٹیکسی میں......" چوکیدار نے جواب دیا، پھر مزید بولا۔ "وہ ٹیکسی بھی آ گئی۔"

"گیٹ کھول کر ٹیکسی کو اندر بلا لو...... ان سے کہنا چھوٹے مالک ملیں گے، انہی کا

انتظار کر رہے ہیں۔''

''جی مالکن۔'' یہ کہہ کر چوکیدار نے ریسیور رکھا اور باہر آ گیا۔ پھر وہ ٹیکسی کے پاس آ کر بولا۔ ''بہن جی! ٹیکسی اندر لے آئیے۔''

امرتا کے چہرے پر اُلجھن دکھائی دی۔ لیکن سلوچنا نے ٹیکسی آگے بڑھوا دی۔ پھاٹک میں گھستے ہی امرتا نے ٹیکسی رُکوا دی۔ دونوں ماں بیٹی ٹیکسی سے اُتر آئیں اور ٹیکسی واپس چلی گئی۔ سلوچنا کے ساتھ امرتا کچھ ہچکچاتی ہوئی آگے بڑھی تو سلوچنا کہنے لگی، کتنا بڑا بنگلہ ہے! اس پر اچانک نندیتا دیوی کی رُعب دار آواز آئی۔

''بنگلہ دیکھتے ہی رال ٹپکنے لگی؟''

سلوچنا اُچھل پڑی اور امرتا کے ذہن میں دھماکہ سا ہوا۔ سلوچنا نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''بہن جی، آپ؟''

''میں تم لوگوں کو وارننگ دے کر آئی تھی نا؟''

سلوچنا بگڑ کر بولی۔ ''ارے کوئی ہم یہاں ڈاکہ مارنے آئے ہیں؟''

امرتا نے اپنی ماں کو چپ رہنے کے لئے کہا، پھر نندیتا دیوی سے مخاطب ہوئی۔

''ماں جی! میں آپ کے ہاتھ جوڑتی ہوں، بس ایک بار مجھے کشور سے بات کرنے دیجئے۔''

''وہ اپنا سامان پیک کر رہا ہے، اُسے فرصت نہیں...... پھر یہ کہ تم اُس سے کیا بات کرو گی...... تم خود کہہ چکی ہو کہ کشور سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔''

سلوچنا پھر بھڑک اُٹھی۔ ''کیسے نہیں ہے ہمارا تعلق کشور سے...... اس نے مندر میں پھیرے کئے ہیں۔''

''ایک ماں نے اپنی جوان بیٹی کے پھیرے ایسے لڑکے کے ساتھ کرا دیئے جس کے والدین تک سے رشتے کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ باپ کو خبر بھی نہ ہونے دی اور سب کچھ اوپر ہی اوپر ہو گیا۔ رخصتی کے بغیر ہنی مون تک منا لیا۔ بڑے ہی بے شرم و بے غیرت لوگ ہو تم۔'' نندیتا نے ان دونوں کو ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

وقت اور مصلحت کے پیشِ نظر امرتا کے ایما پر سلوچنا ہر بات کو نظر انداز کر گئی اور

بولی۔ ''کشور امرتا سے پیار کرتا ہے۔''

''اُس روز جب میں تم سے اس بارے میں بات کرنے آئی تھی تو تم دونوں ماں بیٹی نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ پھیرے نہیں ہوئے ہیں اور نہ ایسی ویسی کوئی بات ہے۔ تم نے تو کہا تھا کہ کشور اور امرتا کے درمیان صرف دوستی کا رشتہ ہے اور وہ اسی کے ناتے تمہارے گھر آتا ہے۔ پھر آج تم اپنا بیان کیوں بدل رہی ہو؟''

سلوچنا جواب دینے کے لئے چند لمحے کچھ سوچتی رہی، پھر اُس نے اپنی دانست میں سچ بولنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

''وہ...... وہ دراصل بات یہ ہے بہن جی کہ......''

نندیتا نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ''مجھے بہن مت کہو۔ تم جیسی عورتوں کی بہن بن کر میں رُسوا ہونا نہیں چاہتی۔''

سلوچنا کو ایک بار پھر اپنا غصہ پینا پڑا اور بولی۔ ''کشور نے ہم سے جو کہا، اسی پر ہمیں عمل کرنا پڑا کیونکہ ہمارے نزدیک رشتہ اہم تھا جسے ہم توڑنے کو تیار نہیں......''

''اگر کشور کہتا کہ تم اپنی بیٹی کو زہر کھلا دو تو کیا اُس کی یہ بات بھی مان لیتیں؟''

''کیوں...... میں کیوں زہر دیتی اپنی بیٹی کو؟'' سلوچنا کی قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔

''تم اپنی بیٹی کو بیچ سکتی ہو، زہر نہیں دے سکتی۔ یہ ہے تمہاری خاندانی عزت؟''

''اے زبان سنبھال کے بات کرو!''

''شٹ اَپ!'' نندیتا نے سلوچنا کو ڈانٹ دیا۔ ''ابھی نوکروں کو بلا کے تمہیں دھکے دے کر نکلوا دوں گی۔''

امرتا جلدی سے بول اُٹھی۔ ''دیکھئے ماں جی......''

''لڑکی! نوجوانی کا دوسرا نام نادانی ہوتی ہے۔ مان لیا، تم نادان تھیں مگر تمہاری ماں تو نادان نہیں تھی۔ اس نے تو دھوپ میں بال سفید نہیں کئے۔ ارے کشور جیسے امیرزادوں کی تو تم جیسی کئی کئی محبوبائیں اور دوست ہوتی ہیں۔ وہ ان سب کو تو اپنے گھر کی بہو نہیں بنا سکتے...... انہیں گھر میں لا کر نہیں بسا سکتے۔ ہمارا خاندان عزت دار ہے اور اس میں عزت دار گھرانے ہی کی بہو آئے گی۔ ایسی کوئی لڑکی عزت دار

گھرانے کی کیسے ہو سکتی ہے جو کسی اجنبی لڑکے پر بھروسہ کر کے اپنی ماں کی شہ پر مندر میں پھیرے کر لے؟ ایسے لوگ عزت دار کیسے ہو سکتے ہیں؟''

''ہمارے پاس اس شادی کا سرٹیفکیٹ موجود ہے۔'' سلوچنا بولی۔

''تو جاؤ پولیس اسٹیشن...... عدالت کے دروازے پر دستک دو، کس نے روکا ہے۔ یہاں کیوں آئی ہو؟'' نندیتا کے لہجے میں غرور تھا۔

امرتا نے ہاتھ جوڑ کر کپکپاتی آواز میں کہا۔ ''ماں جی! میں نے تو کشور کی زبان پر بھروسہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ مجھ سے پیار کرتے ہیں، تعلیم مکمل ہونے کے بعد وہ آپ کو اور پاپا کو اس شادی کے بارے میں سب کچھ بتا کے راضی کر لیں گے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ابھی ہم اپنی زبان بند رکھیں ورنہ بات بگڑ جائے گی۔ وہ مجھے سمجھاتے تھے کہ آپ دونوں ان سے بہت پیار کرتے ہیں۔ آخر کو وہ آپ کے اکلوتے بیٹے ہیں۔''

''بے شک میں کشور سے بہت پیار کرتی ہوں۔'' نندیتا کہنے لگی۔ ''وہ ہمارا اکلوتا بیٹا ہے، مگر اولاد پر جان چھڑکنے والے اسے تباہی کی دلدل میں کبھی نہیں گرنے دیتے۔ ہم بھی اپنے بیٹے کو ایک ایسی لڑکی سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں جس کی نہ کوئی عزت ہے نہ کردار۔''

''ماں جی! ہم غریب ضرور ہیں مگر......''

''غریب ہونا کوئی گناہ نہیں ہے۔ ہمارے بیٹے کو اگر بھکارن بھی پسند آ جاتی تو ہم اُسے سر آنکھوں پر بٹھاتے۔ لیکن جس لڑکی کا اپنا کردار ہی خراب ہو، اوپر سے اس کی ماں بھی بدکرداری کی حوصلہ افزائی کرتی ہو، ایسے پست گھرانے کی لڑکی کو ہم کبھی اپنی بہو تسلیم نہیں کریں گے۔''

''آپ ہمیں ان سے ایک بار ملا تو دیں ماں جی!'' امرتا بدستور نرم آواز میں بولی۔

''وہ اندر سامان پیک کر رہا ہے، یہ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔ اُسے معلوم ہے کہ تم یہاں ہو۔ اگر اُسے واقعی تم سے محبت ہوتی تو خود ہی دوڑتا ہوا آ جاتا۔'' نندیتا نے نخوت آمیز لہجے میں کہا۔ ''لڑکی! مجھے تم پر ترس آ رہا ہے کہ تم نے ایسی نادان عورت کی کوکھ سے جنم کیوں لیا۔ اس عورت کو تو اپنی بیٹی کی آبرو کا بھی خیال

نہیں۔ اس بات کو اچھی طرح اپنے دماغ میں بٹھا لو کہ یہاں سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ چلی جاؤ یہاں سے۔''

''جاتے ہیں۔'' سلوچنا نے اکڑ کر کہا۔ ''اب ہم سیدھے پولیس اسٹیشن جائیں گے۔''

معاً گوتم داس بھی وہاں آ گیا اور بولا۔ ''ٹھہرو لڑکی!'' وہ امرتا سے مخاطب تھا۔ ''میں کشور کا باپ ہوں۔ میں نے تمہارے ڈیڈی سے کہا تھا کہ وہ شادی کا سرٹیفکیٹ لا کر مجھے دکھا دیں۔ اگر واقعی کشور نے تمہارے ساتھ پھیرے کئے ہیں تو میں تمہیں اپنے گھر کی بہو تسلیم کر لوں گا۔ تمہیں بھی معلوم ہو گا کہ اب پرانا زمانہ نہیں رہا۔ مندروں میں بھی جو شادیاں ہوتی ہیں، ان کی باقاعدہ رجسٹریشن ہوتی ہے۔ اور پھر پنڈت سے شادی کا سرٹیفکیٹ بھی......''

''مگر کشور نے مجھے منع کیا تھا کہ وہ سرٹیفکیٹ اپنے ڈیڈی کو نہ دوں۔'' امرتا درمیان میں بول اُٹھی۔

''پھر بھی تم نے کشور پر بھروسہ کر لیا......؟ اپنے پیروں پر تم نے خود کلہاڑی ماری ہے۔ ایسا لگتا ہے تمہارے گھر میں رمیش بابو کی چلتی ہی نہیں۔ تم لوگ اُن کی عزت نہیں کرتے۔ اس نادان عورت نے تمہارے گھر کو تباہ کیا ہے۔'' سیٹھ گوتم داس نے سلوچنا کی طرف اشارہ کیا۔

''پاپا......!''

''لڑکی! میں رمیش بابو کو کالج کے زمانے سے جانتا ہوں۔ اُس زمانے میں وہ بڑے مالدار تھے۔ کچھ عرصہ پہلے تک بھی وہ ایک کامیاب ترین ایجنٹ تھے۔ مرد گھر کے باہر معاملات کا ذمہ دار ہوتا ہے اور عورت گھر کے اندرونی معاملات کو سنبھالتی ہے۔'' سیٹھ گوتم داس نے کہا۔

سلوچنا کچھ کہنے والی تھی کہ امرتا نے اُسے روک دیا۔

گوتم داس نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''رمیش بابو محنتی، دیانتدار اور شریف آدمی ہیں۔ اگر تمہارے گھر کے مالی حالات خراب ہوئے تو اس میں قصور تمہاری ماں کا ہے۔ جو عورت اپنے گھر کو نہیں سنبھال سکتی وہ اولاد کو کیا سنبھالے گی۔ اب تم لوگ

جاؤ ورنہ نندیتا تمہارے ساتھ جو سلوک کرے اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہوگی۔‘‘
نندیتا بولی۔ ’’اگر تم اب بھی نہ گئیں تو میں دوسرا راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاؤں گی۔‘‘

امرتا کو اپنے پیروں تلے سے زمین کھسکتی محسوس ہو رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا......!

✡......✡

ٹیکسی بلڈنگ کے سامنے رُکی اور وہ دونوں کرایہ ادا کر کے اُتر گئیں۔ امرتا تیزی سے آگے بڑھی تو سلوچنا نے آواز دے کر کہا۔ ’’ارے کہاں جا رہی ہے؟‘‘

امرتا نے پلٹ کر جواب دیا۔ ’’چپ رہو! تم نے میری زندگی برباد کی ہے۔‘‘

’’کیا کیا ہے میں نے جو تو اس طرح کی باتیں کر رہی ہے؟‘‘

’’کیوں......؟ کیا تم نے کشور کی باتوں پر یقین نہیں کیا؟‘‘ امرتا بولی۔

’’بڑی ہی ذلیل ہے تو!‘‘ سلوچنا کو غصہ آ گیا۔ ’’بھروسہ میں نے نہیں، تو نے کیا تھا۔ کشور نے پیار کے وعدے تجھ سے کئے تھے۔ میں ان پڑھ ہوں، یہ تو بھی اچھی طرح جانتی ہے۔ مجھ میں جتنی عقل ہوگی اسی کے مطابق تو سوچوں گی۔ تو، تو تعلیم یافتہ ہے، تجھے کس طرح اُس نے اعتماد میں لے لیا؟‘‘

’’وہ تو......‘‘

سلوچنا نے امرتا کو بات پوری نہ کرنے دی۔ ’’میں نے تم دونوں کو سمجھدار جان کر پھیرے کرائے تھے۔ تیری ہی وجہ سے مجھے اپنے پتی کی ناراضگی مول لینی پڑی۔ میں صرف تیری خوشی کی خاطر ان کی نظروں سے گر گئی۔ کشور کو گھر بلانے پر تجھے میں نے تو مجبور نہیں کیا اور......‘‘

’’لیکن سب کچھ تمہاری ہی مرضی سے تو ہوا۔ میں نے تنہا تو سب کچھ نہیں کیا۔‘‘ امرتا بحث کرنے لگی۔

’’چپ رہ بے حیا!‘‘ سلوچنا نے اُسے ڈانٹ دیا، پھر کہنے لگی۔ ’’تیرے لئے ہی میں بری کہلائی اور آج تو ہی مجھے آنکھیں دکھا رہی ہے۔ تیرے ڈیڈی مجھے چھوڑ کر چلے گئے اور دوبارہ دیویانی کے چکر میں پھنس گئے۔ میں نے تیری وجہ سے ساری

ذلت برداشت کی۔ تو اس کا مجھے یہ انعام دے رہی ہے۔ میں تجھے پتی دلوانے کے لئے اپنا پتی...... اپنے پتی سے ہاتھ دھو بیٹھی۔‘‘ یہ کہتے ہوئے سلوچنا رو پڑی اور دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔

اچانک امرتا کے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا تو وہ چونک اُٹھی۔ اُس نے مُڑ کر دیکھا تو ورشا سامنے کھڑی تھی جو بولی۔ ’’میں اجے کے فلیٹ میں تیری منتظر تھی۔‘‘

یکایک امرتا، ورشا کے گلے لگ کر رونے لگی۔ ورشا اُسے تھپکتی رہی۔ اجے بھی آ گیا تھا۔

’’بھیا!‘‘ ورشا نے اجے کو مخاطب کیا۔ ’’تم سلوچنا آنٹی کو ان کے فلیٹ میں لے جاؤ۔‘‘ یہ سن کر اجے، سلوچنا کو ساتھ لئے آگے بڑھ گیا۔ ورشا نے امرتا سے کہا۔ ’’آ میرے ساتھ!‘‘ امرتا کی ذہنی کیفیت کچھ ایسی تھی کہ وہ کوئی سوال کئے بغیر ورشا کے ساتھ چل دی۔

کچھ ہی دیر کے بعد وہ دونوں ایک ٹیکسی میں بیٹھی ہوئی اپنی منزل کی طرف جا رہی تھیں۔ امرتا کے لئے وہ منزل انجان تھی۔

’’اب کیا ہوگا ورشا؟‘‘ امرتا نے رندھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

’’ہم ایک آخری کوشش کر رہے ہیں۔‘‘ ورشا نے جواب دیا۔ ’’ممکن ہے کشور امریکہ نہ جا سکے۔‘‘

’’تو ڈیڈی کو تو فون کر!‘‘

’’میں نے انکل کو ہر جگہ ٹرائی کیا مگر وہ کہیں نہیں ملے۔‘‘

’’تو پھر مجھے کہاں لے جا رہی ہے؟‘‘

’’انکل کے پاس۔ وہ کالج یا فیکٹری میں ہوں گے۔‘‘ ورشا نے بتایا۔

’’کیا......؟ ڈیڈی دیویانی آنٹی کے پاس نہیں رہتے؟‘‘

’’کبھی نہیں۔ وہ تو شروع سے الگ رہتے ہیں۔‘‘

ورشا، امرتا کو فیکٹری لے گئی۔ مگر رمیش وہاں بھی نہیں ملا۔

✡......✡

بلیئرڈ روم کے کلاک نے بارہ بجائے تو رمیش چونک اُٹھا اور وال کلاک کی طرف

دیکھا۔ اس پر دیویانی کہنے لگی۔ ''ابھی فلائٹ کی روانگی میں آٹھ گھنٹے باقی ہیں۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا......! کیا میں اُس لڑکی کے لئے کچھ کروں گا جس نے مجھے باپ نہیں سمجھا؟''

''ایسی لڑکی کے لئے واقعی کچھ نہیں کرنا چاہئے۔'' دیویانی بولی۔

رمیش نے نشانہ لگایا مگر بال خانے میں نہیں گئی۔

''تم توجہ سے نہیں کھیل رہے؟'' دیویانی نے کہا۔

''کون کہتا ہے میرا دھیان کہیں اور ہے۔''

''کوئی نہیں۔'' یہ کہتے ہوئے دیویانی نے اسٹک رمیش کی ٹھوڑی کے نیچے لگائی اور بولی۔ ''تم اس وقت چشم تصور سے امرتا کو دیکھ رہے ہو جو ورشا کے ساتھ تمہاری تلاش میں ہے۔''

''میں نے تو موبائل بند کر رکھا ہے اور......''

''بس کرو، بہت ہو گیا ڈرامہ۔'' دیویانی مسکرا کر بولی۔ ''یا تو ابھی وکیل سے کہہ کر سلوچنا کو طلاق دینے کے کاغذات تیار کراؤ ورنہ میرے ساتھ چل کر کشور کو روکو، دیر نہ کرو۔''

وہ دونوں باہر آ گئے۔ رمیش نے موبائل پر ایک نمبر ملایا تو دوسری طرف سے ''ہیلو'' کی آواز آئی۔ پھر پریم نے رمیش کے استفسار پر بتایا۔ ''ابھی ابھی ورشا اور امرتا تیسری بار میرے پی سی او پر آئی تھیں۔ وہ مجھ سے آپ کے پیغام کی بابت معلوم کر رہی تھیں۔ امرتا تو رو بھی رہی تھی۔ وہ آپ کو ڈھونڈ رہی ہیں۔''

وہ کار میں بیٹھ چکے تھے۔ کار چل پڑی تو رمیش نے ایک اور نمبر ملایا۔

''ہیلو، سہارا ایئر پورٹ۔'' جواب ملا۔

''میں نے اپنے بیٹے کے لئے کل صبح آٹھ بجے کی فلائٹ سے بکنگ کرائی تھی...... نیویارک جانا ہے اُسے۔'' رمیش نے کہا۔ ''میرے لڑکے کا نام کشور ہے۔ مجھے اُس کا ٹکٹ کینسل کرانا ہے...... والد کا نام گوتم داس لکھایا گیا ہے۔''

''ہولڈ آن پلیز!'' کہا گیا، پھر تھوڑی دیر بعد آواز آئی۔ ''سوری سر! اس نام اور ولدیت کے حامل کسی کا ٹکٹ اس فلائٹ پر تو کیا، کل کی کسی فلائٹ کے لئے بھی بک

نہیں۔''

رمیش کو جیسے زور کا جھٹکا لگا۔ اُس نے ایئر پورٹ انکوائری سے رابطہ منقطع کر کے ایک اور نمبر ملا کر پوچھا۔ ''مرلی! گوتم داس جی کہاں ہیں؟''

مرلی نے بتایا کہ مالکن اور مالک تو چھوٹے مالک کو ایئر پورٹ چھوڑنے گئے ہیں۔ رمیش نے یہ سن کر معلوم کیا، کشور کون سی فلائٹ سے امریکہ جا رہا ہے؟ مرلی کو فلائٹ کا علم نہیں تھا۔ سو اُس نے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔

رمیش نے فون بند کر کے دیویانی سے کہا۔ ''جلدی کرو، سہارا ایئر پورٹ!''

ان الفاظ کے ساتھ ہی کار کی رفتار ایک دم بڑھ گئی......!

دیویانی اور رمیش سہارا ایئر پورٹ سے باہر آئے تو پانچ بج رہے تھے۔ رمیش تھکا تھکا سا دکھائی دے رہا تھا۔ پھر وہ دونوں سانتا کروز ایئر پورٹ کے لئے چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر انکوائری سے معلوم ہوا کہ کشور نام کا مسافر ایک بجے کی فلائٹ سے دہلی گیا ہے۔ دیویانی نے دہلی کا نمبر ملا کر ایک دوست سے بات کی اور کشور کا نام بتا کر کہا۔ ''مجھے بتاؤ کہ اس نام کے کسی لڑکے کی بکنگ اندرا گاندھی ایئر پورٹ سے نیویارک کے لئے تو نہیں ہوئی؟ آدھے گھنٹے میں مجھے جواب چاہئے۔''

آدھے گھنٹے کے بعد معلوم ہوا کہ ساڑھے پانچ بجے صبح کی فلائٹ پر کشور نامی لڑکے کی بکنگ تھی۔ وہ فلائٹ دس منٹ پہلے روانہ ہوئی ہے۔

دیویانی نے جب یہ بات رمیش کو بتائی تو وہ برسوں کا بیمار نظر آنے لگا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور پھر بند آنکھوں سے آنسوؤں کی قطار بہہ نکلی۔

''اس وقت امرتا نے کم کھویا ہے، تم نے کچھ زیادہ۔'' دیویانی سنجیدگی سے بولی۔

رمیش نے کچھ ہی دیر میں اپنی حالت پر قابو پا لیا اور موبائل پر ایک نمبر ملایا۔

''ہیلو!''

''سیٹھ گوتم داس جی؟''

''اوہ رمیش بابو!...... کیسے ہیں؟''

''آپ نے جو ٹرمپ چال چلی ہے، اس کا جواب مجھ پر اُدھار ہے، خواہ اس میں کتنا ہی وقت کیوں نہ لگ جائے۔''

''رمیش بابو! آپ ایک ایسی لڑکی کی حمایت میں بول رہے ہیں جو آپ جیسے خاندانی آدمی کے نام پر دھبہ ہے۔''

''ہمارے خاندان کی کسی لڑکی نے ایک پتی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی نہیں

کی۔ میری بیٹی کی رگوں میں میرا خون دوڑ رہا ہے۔ وہ بوڑھی ہو جائے گی مگر رمیش کا انتظار کرے گی۔''

''میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں رمیش بابو!...... اس لئے کہ آپ ایک بیٹی کے باپ ہیں۔ میں کشور کا باپ ہوں۔ ہم دونوں نے کشور کو امرتا سے نہیں بلکہ ایک نادان اور بے وقوف عورت سے بچانے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ......''

''کیونکہ کیا؟''

''ہم نہیں چاہتے کہ جس طرح آپ اس عمر میں اپنا گھر بار چھوڑ کر اِدھر اُدھر بھٹک رہے ہیں، اسی طرح ہمارا بیٹا بھی بھٹکے۔''

رمیش کوئی جواب نہ دے سکا۔ اُس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

✡......✡
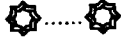
دروازے پر دستک سن کر ورشا نے دروازہ کھولا۔ رمیش کو دیکھ کر وہ چونکی۔

''انکل!''

اندر سے سلوچنا کی تیز آواز سنائی دی۔ ''وہ آ گئے تیرے ہمدرد، بیٹی کا گھر برباد کر کے۔''

امرتا بھاگتی ہوئی آئی اور رمیش کے کندھے سے لگ کر سسکنے لگی۔ ''ڈیڈی!...... مجھے بچا لیجئے ڈیڈی!''

''ہاں بیٹی! وہ لوگ تو بڑا گیم کھیل گئے۔'' رمیش نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ہم لوگ ایئر پورٹ پہنچے تو......'' پھر اُس نے تفصیل بیان کر دی۔

''سن لیا تم نے؟'' ورشا بولی۔ ''میں نے کہا تھا نا کہ انکل کچھ نہ کچھ کر رہے ہوں گے۔''

امرتا رونے لگی تو رمیش نے اُس سے پوچھا۔ ''تو کشور کو نہیں چھوڑنا چاہتی؟''

''میں نے اُسے شوہر مانا ہے، اپنا بھگوان سمجھا ہے۔''

''لیکن شیطان، بھگوان کیسے ہو سکتا ہے؟...... گوتم داس کا کہنا ہے کہ تیری ماں نادان ہے اور وہ اپنے بیٹے کو نادان عورت کی بیٹی سے بچا رہے ہیں تاکہ وہ میری طرح دربدر نہ ہو۔ سن بیٹی! میرا دعویٰ ہے کہ ایک روز کشور کو تیرے سامنے لا کر ضرور

کھڑا کروں گا، چاہے اس کے لئے میری جان ہی چلی جائے۔“

”بھگوان نہ کرے، آپ کی جان چلی جائے۔ یہ تو میری جان سے زیادہ قیمتی ہے ڈیڈی! میں نے آپ کی بے عزتی کی ہے، یہ اسی کی سزا ہے۔ میں اس کا کفارہ ادا کروں گی، مجھے اپنے ساتھ لئے چلیے ڈیڈی۔“

”بیٹی! میرے ساتھ رہ کر تو یتیم خانے سے لائی ہوئی ایک لڑکی میں بدل جائے گی۔ تجھے اسی گھر کی چھت کے نیچے رہ کر بدلنا ہے۔“ رمیش بولا۔ ”اور سن! میں تیری طرف سے نہ پہلے بے خبر تھا اور نہ آئندہ رہوں گا۔“ اُس نے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر امرتا کو دی اور کہا۔ ”یہ گھر کے خرچ کے لئے ہیں۔ اب یہ تیری مرضی ہے کہ تو یہ رقم اپنی ماں کو دیدے یا اس سے گھر کو سلیقے سے چلا۔“

اچانک سلوچنا تیز آواز میں بولی۔ ”ہاں ہاں، سب کی دشمن میں ہی تو ہوں۔“

امرتا غصے میں پلٹی تو رمیش نے اُسے روکا۔ ”نہیں بیٹی!...... اُس میں جتنی عقل ہے اُتنا ہی سوچ سکتی ہے۔ اب اُس کی ذمہ داری بھی میں تجھی کو سونپتا ہوں۔“

رمیش جانے کے لئے مڑا تو انوپ بول اٹھا۔ ”ڈیڈی! مجھے جاسوس نہیں بننا۔ آپ مجھے اپنی فیکٹری میں چپڑاسی رکھ لیجئے۔“

”نہیں بیٹے! جوان بیٹا تو باپ کا سہارا ہوتا ہے۔ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سیکھو۔ اگر تمہیں عقل آ گئی تو پھر اس انتظار میں نہیں بیٹھو گے کہ میں ہی گھر کے لئے سودا خرید کر لاؤں اور میرے نہ آنے پر تم بھوکے بیٹھے رہو۔ تم محنت مزدوری کرو، محنت کی کمائی کا مزہ ہی الگ ہے۔ ایک اچھے بیٹے کی طرح ماں کا سہارا بنو۔“ رمیش نے یہ کہتے ہوئے امرتا اور انوپ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ پھر جیسے ہی رمیش نے فلیٹ سے باہر قدم رکھا، امرتا، ورشا اور سلوچنا تینوں ہی رونے لگیں۔ انوپ بھی سنجیدہ نظر آنے لگا۔

✿......✿
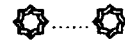
امرتا نے آخری برتن دھو کر رکھا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اُس نے ہاتھ پونچھے اور دروازہ کھولا۔ سامنے کچھ عورتیں کھڑی تھیں۔

”فرمائیے، کس سے ملنا ہے آپ کو؟“ امرتا نے قدرے حیرت سے کہا۔

”آپ امرتا ہیں نا؟“ یہ کہہ کر وہ عورت خود ہی اپنا تعارف کرانے لگی۔ ”میرا نام سُدھا ہے۔ میں انسانی حقوق کی ایک بین الاقوامی تنظیم سے تعلق رکھتی ہوں۔ اسی تنظیم کے شعبۂ خواتین کی میں انچارج ہوں، صرف انڈین شاخ کی۔“

”آیئے اندر آ جایئے۔“ امرتا نے سُدھا اور دوسری عورتوں کو مخاطب کیا۔

سُدھا نے اندر آ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”ہمیں آپ کے پتا جی رمیش کمار سیٹھی کی طرف سے درخواست موصول ہوئی ہے جس میں شکایت کی گئی ہے کہ آپ کے شوہر کشور آپ کو چھوڑ کر امریکہ بھاگ گئے ہیں اور اُن کے گھر والوں نے آپ کو اپنی بہو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ ہم انہی الزامات کی تصدیق کے لئے آئے ہیں۔“ پھر اُس نے ایک فائل کھولی اور امرتا کے سامنے کچھ کاغذات رکھ دیئے۔ امرتا کے شادی سرٹیفکیٹ پر بھی اُس نے دستخط لئے اور کہا۔ ”مجھے یہ بتایئے کہ شادی کے اس سرٹیفکیٹ پر کسی اور گواہ کے دستخط کیوں نہیں ہیں؟“

امرتا خاموش رہی۔

سُدھا نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا۔ ”اس سرٹیفکیٹ کی پشت پر ہماری تنظیم کی ہر خاتون رُکن دستخط کرے گی۔ اس پر آپ کے شوہر کشور کے دستخط موجود ہیں جس کے باعث ہم آسانی سے سپریم کورٹ تک جا سکتے ہیں۔“

امرتا نے سُدھا اور اُس کے ساتھ آنے والی دیگر خواتین کے لئے چائے بنانا چاہی تو اُنہوں نے معذرت کر دی۔

”اب تو ہم آپ کی رُخصتی کی دعوت کھائیں گے۔“

گھنٹی کی آواز سن کر نوکر نے دروازہ کھولا تو سُدھا اور اُس کی ساتھی خواتین اندر گھس آئیں۔ اُن کے ساتھ پنڈت جی بھی تھے۔

سیٹھ گوتم داس بولا۔ ”فرمایئے؟“

اس سے پہلے کہ کوئی کچھ بولتا، پنڈت جی کی نظر دیوار کی طرف اُٹھی جہاں کشور کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ پنڈت جی نے زور سے کہا۔ ”یہی ہے وہ لڑکا، کشور کمار کھنہ۔“

”کیا بات ہے؟...... کیا چاہتے ہیں آپ لوگ؟“ سیٹھ گوتم داس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"میں سُدھا مہتا ہوں۔" اُس نے اپنا پورا تعارف کرانے کے بعد فائل کھولی، اُس میں رمیش کی طرف سے شکایتی درخواست اور شادی کا سرٹیفکیٹ بھی تھا۔ "یہ ہے درخواست اور یہ...... شادی کا سرٹیفکیٹ!" سُدھا بولی۔ "آپ دیکھ لیجئے ان کو۔"

سیٹھ گوتم داس نے تمام کاغذات دیکھ کر کہا۔ "بکواس ہے یہ سب۔"

"ہمارے بیٹے کو بدنام کرنے کی سازش ہے یہ۔" نندیتا بھی نفرت سے بولی۔

"شریمتی جی!" سُدھا بول اُٹھی۔ "آپ خاندانی عورت ہیں۔ اپنی بہو کے بارے میں اس طرح کے الفاظ آپ کو زیب نہیں دیتے۔"

"کون بہو؟...... کیسی بہو؟...... یہ سرٹیفکیٹ جعلی ہے۔" نندیتا نے کہا۔ "یہ دستخط میرے بیٹے کے نہیں ہیں۔ اور پنڈت جی بھی پیسے لے کر جھوٹ بول رہے ہیں۔"

"رام رام......" پنڈت جی بڑبڑائے۔ "اپنی تو لٹیا ہی ڈوب گئی۔"

سُدھا نے کچھ دوسرے کاغذات نکال کر سیٹھ گوتم داس کی طرف بڑھائے۔ "ان میں امرتا کے سکول اور کالج کے کیریکٹر سرٹیفکیٹ ہیں اور ورشا سمیت اُن اٹھائیس لڑکیوں کے دستخط ہیں جن کے دامن کو کشور داغ دار کر چکا ہے۔ یہ سب لڑکیاں عدالت میں کشور کے خلاف گواہی دیں گی۔"

سیٹھ گوتم داس کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے، مگر وہ بولا کچھ نہیں۔

سُدھا مزید بولی۔ "مسٹر کشور کا ڈی این اے ٹیسٹ بھی ہوگا۔ شریمتی اور شریمان گوتم داس جی! ہم نے ایک ماہ تک چھان بین کی ہے۔ کم سے کم دو سو گواہوں کے بیانات لینے کے بعد ہم آپ کے پاس آئے ہیں۔ ان گواہوں میں اُن ہوٹلوں کے ویٹر اور روم سروس والے بھی شامل ہیں جہاں مختلف لڑکیوں کو کشور کمار لے جاتے رہے ہیں۔ ہم آپ کو یہ بھی بتا دیں کہ مختلف اخبارات کے لئے بھی خاصا میٹر ہمارے پاس ہے۔ سارے کیس کی ایک نقل وزارتِ داخلہ کو بھی بھجوائی جا رہی ہے۔ ہمارے کام کا آغاز بمبئی کے سیشن کورٹ سے ہوگا۔ مقامی وکیلوں نے کیس کی تیاری کر لی ہے۔ آپ کے انکار کی صورت میں کل یہ کیس عدالت میں چلا جائے گا۔ اگر آپ نے ایک ہفتے کے اندر اندر کشور کو عدالت میں پیش نہیں کیا تو نہ صرف آپ دونوں پتی پتنی کو حراست میں لے لیا جائے گا بلکہ فیکٹری بھی سیل کر دی جائے گی۔"

نندیتا ایک دم بھڑک اُٹھی۔ "میرا بیٹا کوئی بڑا مجرم نہیں ہے۔ نہ اُس نے کسی کا قتل کیا ہے، نہ ڈاکہ ڈالا ہے اور نہ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہے۔ آپ کی دھمکیوں سے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے وہ کوئی بین الاقوامی مجرم ہے اور موسٹ وانٹیڈ ہے۔"

"شریمتی جی! جن جرائم کا آپ نے تذکرہ کیا، وہ اس سے بہت چھوٹے ہیں جو آپ کے بیٹے نے کیا ہے۔ اگر آپ نے اس معاملے کو سنجیدگی سے نہ لیا تو ہم کارروائی شروع کر دیں گے۔" یہ کہہ کر سُدھا، اُس کی ساتھی خواتین، پنڈت جی سمیت اُٹھ گئیں۔

سیٹھ گوتم داس کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ اُس نے رومال نکال کر پسینہ پونچھا اور بولا۔ "سنئے بہن جی! ہم ایک ہفتے بعد کشور کو عدالت میں پیش کر دیں گے اور عدالتی فیصلہ قبول بھی کر لیں گے۔"

"شکریہ! ہمیں آپ سے یہی اُمید تھی۔"

وہ لوگ چلے گئے تو نندیتا اپنے شوہر سے مخاطب ہوئی۔ "یہ آپ نے کیا کیا؟"

"اپنے بیٹے کے کئے کی سزا ہمیں ہی بھگتنی ہوگی نندیتا!...... سُدھا نے جو کچھ کہا ہے وہ محض دھمکی نہیں ہے۔" اس کے بعد سیٹھ گوتم داس نیویارک کے لئے کال بک کرانے لگا۔

۞......۞
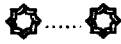
دروازے پر دستک سن کر امرتا اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آنے والی ورشا تھی۔ وہ اندر آ کر امرتا سے لپٹ گئی۔

"کیا ہوا سب ٹھیک تو ہے؟" امرتا نے گھبرا کر پوچھا۔

ورشا نے مسکرا کر جواب دیا۔ "آج میں بہت خوش ہوں۔"

"کیا ڈیڈی نے اُن لوگوں کو راضی کر لیا ہے؟"

"انکل نے خود یہ کام نہیں کیا بلکہ دیویانی آنٹی نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے......" پھر ورشا نے خواتین کے حقوق کی بین الاقوامی تنظیم کا ذکر کیا اور بتایا۔ "جو شکایت بھجوائی گئی تھی، اُس پر کارروائی شروع ہوگئی ہے۔"

"کیا کشور کے گھر والے......"

”نہیں، انکل اُن کے سامنے نہیں گڑگڑائے بلکہ وہ لوگ، انکل کے سامنے گڑگڑائیں گے۔“ ورشا نے کہا۔ ”دراصل وہ لوگ بنگلہ اور فیکٹری سیل ہونے کے ساتھ گرفتاری کی خبر سے بدحواس ہو گئے ہیں۔ اب اُنہوں نے عدالت کے فیصلے کو قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی ہے۔“

”تو کیا کشور عدالت میں آئے گا؟“

”ہاں، وہ پرسوں امریکہ سے واپس آ رہا ہے۔“

”اچھا!...... وہ واپس آ رہا ہے؟“ امرتا خوشی سے چیخ اُٹھی۔

✿......✿
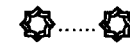
امرتا نے ٹفن میں لنچ رکھ کر انوپ کو دیا۔ اتنے میں سلوچنا کی آواز آئی۔ ”امرتا! تیری موسی کا لڑکا تیرے لئے لڑکا دکھانے لا رہا ہے۔ وہ اُس کے آفس میں ہیڈ کلرک ہے۔ نہا دھو کر تیار ہو جانا۔“

امرتا خاموش رہی تو انوپ بولا۔ ”سن لیا تم نے دیدی؟“

”میں نے سن لیا، تو بھی سن لے، اُن کا جو جی چاہے کہتی رہیں۔“ امرتا یہ کہہ کر فلیٹ سے نکل آئی۔ ”پر میں اس کے لئے تیار نہیں۔“

نیچے آ کر امرتا نے پی سی او سے ایک نمبر ملایا۔

”کیسی ہو امرتا بیٹی؟“ رمیش نے دوسری جانب سے امرتا کی آواز سن کر کہا۔

”میں ٹھیک ہوں ڈیڈی!“ امرتا بولی۔ ”دراصل کل ورشا آئی تھی اور اُس نے......“

”ہاں بیٹی، اُس نے جو کچھ بتایا وہ صحیح ہے۔“

”تو کشور واقعی آ رہا ہے؟“

”کل پہنچ جائے گا۔“

”ڈیڈی! میرے لئے موسی نے کوئی لڑکا دیکھ لیا ہے۔ ماں نے بتایا......“

رمیش نے بات کاٹ دی اور کہنے لگا۔ ”اب تو تمہاری ماں کی باتوں پر غصے کی بجائے ہنسی آتی ہے۔ اینی وے، یو نو بیٹر ہاؤ ٹو ہینڈل ہر۔“

”یس ڈیڈی، آئی نو ویری ویل۔“

”انوپ کام پر گیا؟“

”جی۔“ امرتا بولی۔ ”آج کل بھٹے بیچ رہا ہے۔ ڈیڈی! وہ بہت محنت کر رہا ہے۔“

”معلوم ہے مجھے۔ میں اُس کی طرف سے بے خبر نہیں ہوں۔ اُسے محنت کرنے دو، اسی طرح سیکھے گا۔“

”آپ تو ٹھیک ہیں ڈیڈی؟“

”جس روز تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا، اُس روز میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔ خیر... یہ بتاؤ تمہاری ماں تو ٹھیک ہے نا؟“

”ہاں ٹھیک تو ہیں، مگر چپکے چپکے روتی رہتی ہیں۔“ امرتا نے کہا۔ دوسری جانب خاموشی چھا گئی تو ذرا توقف سے امرتا پھر بولی۔ ”ڈیڈی!......“

”سن رہا ہوں بیٹی۔“

”دیویانی آنٹی کیسی ہیں؟“

”ایور گرین!...... تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟“

”نہیں ڈیڈی! ابھی تو وہ روپے ہی خرچ نہیں ہوئے جو آپ نے پہلے دیئے تھے۔ انوپ بھی ہر روز چالیس پچاس روپے لے آتا ہے۔“

✿......✿

رمیش نے موبائل بند کر کے رکھا تو سامنے کرسی پر دیویانی بیٹھی نظر آئی۔ اُس نے رمیش کو مخاطب کیا۔ ”تو تم آج کاٹیج میں نہیں، اپنے بنگلے پر چلو گے؟“

”کسی نے ہوائی اُڑائی ہو گی۔“

”جی چاہتا ہے تمہیں......“

”قتل کر دوں۔“ رمیش نے مسکرا کر بات مکمل کی۔ پھر بولا۔ ”آؤ چلیں۔“

دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُن کی کار جب فیکٹری کی حدود سے نکلی تو سامنے ہی انوپ دکھائی دیا۔ وہ آئس کینڈی کا ٹھیلا لئے کھڑا تھا۔ فیکٹری کے مزدور ٹھیلے کے اِردگرد کھڑے تھے۔ انوپ کی نظر رمیش کی کار پر پڑی تو اُس نے ایک مزدور سے پوچھا۔ ”یہ کون ہیں؟“

”یہ فیکٹری کے مالک ہیں۔“ اُس مزدور نے جواب دیا۔

”مگر یہ تو میرے ڈیڈی کے ہم شکل ہیں۔“
اس دوران رمیش نے کار روک لی تھی۔
”اے سنو!“ دیویانی نے انوپ کو مخاطب کیا اور دو کینڈیاں لانے کو کہا۔
”اوہو!...... میری کینڈیاں اتنے بڑے لوگ کھائیں گے؟“ انوپ کا بچپنا جاگ اُٹھا۔ ذہنی طور پر اب بھی وہ پوری طرح صحت مند نہیں ہوا تھا۔ وہ دو کی بجائے کئی کینڈیاں نکال کر دوڑتا ہوا کار کے پاس پہنچا اور بولا۔ ”یہ میری طرف سے آپ کے لئے گفٹ ہے۔“
رمیش نے کینڈی لے کر کہا۔ ”تم تو پہلے یہاں بھٹے بیچتے تھے۔“
”سر! بھٹوں میں اتنی آمدنی نہیں تھی۔“ پھر وہ چونک کر بولا۔ ”سر! آپ کی صورت تو بالکل آپ کی آواز سے مل رہی ہے۔“
رمیش اُس کی احمقانہ بات کو نظر انداز کر گیا۔ انوپ کے بارے میں اگر اُسے علم نہ ہوتا تو کیسے ہوتا کہ انوپ کا ذہن ایک خاص عمر سے آگے نہیں بڑھ سکا۔
دیویانی نے سو روپے کا نوٹ نکال کر انوپ کو دینا چاہا تو وہ کہنے لگا۔ ”نہیں، آج پیسے نہیں لوں گا، کل کینڈیاں خریدیں تو پیسے لینے سے انکار نہیں کروں گا۔“
”اچھا ٹھیک ہے۔“ دیویانی بولی اور کار اسٹارٹ کر دی۔ انوپ واپس اپنے ٹھیلے کی طرف چلا گیا۔ دیویانی نے رمیش سے کہا۔ ”اس بے چارے سے کب تک محنت کراؤ گے؟“
”اب پہلے کی نسبت بہت سدھر چکا ہے۔ امرتا سے کہوں گا، کل اسے میرے پاس لے آئے، تم اس کا داخلہ کرا دینا۔“
”تھینکس گاڈ!“ دیویانی نے اطمینان کا سانس لیا۔

✿......✿

سیٹھ گوتم داس اور نندیتا دیوی، سہارا ایئر پورٹ کے لاؤنج میں کھڑے تھے۔ اُنہیں کشور کی آمد کا بے قراری سے انتظار تھا۔ آخر امریکہ سے آنے والی ایک فلائٹ نے لینڈ کیا تو نندیتا نے شوہر سے تصدیق چاہی۔ ”کشور اسی جہاز میں ہے نا؟“
”ہاں، اُسے آج ہر حال میں آنا ہے۔“ سیٹھ گوتم داس نے جواب دیا۔

طیارہ ایئر پورٹ پر آ کر رُک گیا، سیڑھی لگ گئی اور مسافر اُتر کر لاؤنج کی طرف بڑھنے لگے۔ انہی مسافروں میں کشور بھی شامل تھا۔ اُس پر نظر پڑتے ہی نندیتا نے ہاتھ ہلایا۔ کشور لاؤنج میں آیا تو اُس کے چہرے پر تناؤ تھا۔ وہ بے قراری کے ساتھ ہر طرف دیکھ رہا تھا۔
کشور آگے بڑھا تو سیٹھ گوتم داس اور نندیتا بھی اُس کی طرف بڑھے۔ پھر اس سے قبل کہ کشور اپنے والدین سے مل پاتا، تین سوٹڈ بوٹڈ آدمی اُس کی راہ میں حائل ہو گئے۔ کشور بدحواس سا ہو کر اُن اجنبیوں کو دیکھنے لگا۔
”کیا بات ہے؟“ سیٹھ گوتم داس نے اُن اجنبی افراد سے معلوم کیا۔ ”کون ہیں آپ لوگ؟“
”پلیز آپ دُور ہی رہیے۔“ ایک سوٹ والے نے پلٹ کر گوتم داس سے کہا۔
”مگر بات تو پتہ چلے۔“ سیٹھ گوتم داس بحث کرنے لگے۔
”کہا نا، ڈونٹ ڈسٹرب!“
کشور جو پہلے ہی پریشان پریشان دکھائی دے رہا تھا، خود پر قابو پا کر اُن اجنبیوں سے مخاطب ہوا۔ ”آپ لوگوں کو مجھ سے کیا کام ہے؟“
اُن اجنبیوں میں سے ایک نے اپنی جیب سے ایک تصویر نکال کر کشور کو دکھائی اور کہا۔ ”یہ تصویر آپ ہی کی ہے نا؟“
”جی ہاں مگر بات کیا ہے؟“ کشور نے تصویر دیکھ کر سوال کیا۔
”میں سی آئی ڈی انسپکٹر ساونت ہوں۔ ہمیں آپ کی تلاشی لینی ہے۔“
معاً نندیتا چیخ اُٹھی۔ ”کیا، کیا ہے میرے بیٹے نے؟...... آپ اس کی تلاشی کیوں لے رہے ہیں؟“
”آپ خاموش رہیں میڈم!“
پھر ایک اجنبی نے کشور کے بیگ کی تلاشی لینی شروع کر دی اور دوسرے کشور کے ہاتھ اوپر اٹھا کر اُس کے لباس کو چیک کرنے لگے۔
کشور کے بیگ میں سے ایک پیکٹ نکلا۔ اُس پیکٹ میں سفید پاؤڈر سے بھری ہوئی کئی تھیلیاں تھیں۔ اُن میں سے جس اجنبی نے بیگ سے وہ پیکٹ نکالا تھا، انسپکٹر

ساونت کو بتانے لگا۔ ”سر! براؤن شوگر۔“

انسپکٹر نے ایک تھیلی لے کر اُسے غور سے دیکھا۔ کشور کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ سیٹھ گوتم داس اور نندیتا بھی تھر تھر کانپ رہے تھے، اُن کے چہرے سفید ہو گئے تھے۔ کشور بمشکل بولا۔ ”سر! مجھے نہیں معلوم یہ تھیلیاں میرے بیگ میں کیسے پہنچیں!“

”ہر مجرم پکڑے جانے پر یہی کہتا ہے مسٹر کشور! آپ کو حراست میں لیا جاتا ہے۔“

ایک سوٹ والے نے کشور کو ہتھکڑیاں پہنا دیں۔ گوتم داس کانپتے ہوئے کہنے لگا۔ ”میرا بیٹا ایسی حرکت کبھی نہیں کر سکتا۔“

”یہ جھوٹ ہے، الزام ہے!“ یہ کہتے ہوئے نندیتا بے ہوش ہو گئی۔ گوتم داس اُسے سنبھالنے لگا۔ کشور وحشت زدہ سا کھڑا تھا۔

✿......✿
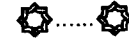
کشور حوالات میں سلاخوں کے پیچھے کھڑا تھا۔ گوتم داس باہر کھڑا ہوا اُس سے کہہ رہا تھا۔ ”گھبراؤ مت بیٹا! میں شہر کے سب سے بڑے وکیل کی خدمات حاصل کروں گا۔ تمہاری ضمانت جلد ہو جائے گی۔“

”مگر پاپا! میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔“

”میں جانتا ہوں، یہ کس کی سازش ہے۔ تمہیں اس طرح پھانسا جا رہا ہے۔“

”ممی کیسی ہیں؟“

”ہوش تو آ گیا ہے اُنہیں، مگر رو رو کے برا حال کر لیا ہے اپنا۔“ گوتم داس نے بتایا۔ ”ایک نرس رکھ لی ہے دیکھ بھال کے لئے۔ فیملی ڈاکٹر بھی برابر دیکھنے آ رہے ہیں۔“

”ممی کا خیال رکھئے گا......“

پھر اس سے پہلے کہ کشور مزید کچھ کہتا، ایک سپاہی آ کر گوتم داس سے بولا۔

”آپ کو ایس ایس پی صاحب نے بلایا ہے۔ آپ کے وکیل آئے ہیں۔“

گوتم داس نے کشور کی طرف دیکھتے ہوئے اُسے تسلی دی۔ ”فکر نہ کرنا!...... اب میں تمہیں ساتھ لے کر ہی یہاں سے جاؤں گا بیٹے۔“ یہ کہہ کر گوتم داس سلاخوں کے

پیچھے ہٹ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ایس ایس پی کے دفتر میں تھا۔ وہاں بیرسٹر دیوندر ناتھ پانڈے موجود تھا۔ ایس ایس پی چوہان کسی سے فون پر گفتگو کر رہا تھا۔

گفتگو ختم کر کے ایس ایس پی نے بیرسٹر پانڈے کو مخاطب کیا۔ ”یس مسٹر پانڈے! وہاٹ کین آئی ڈو فار یو؟“

”چوہان صاحب! آپ نے کیا سوچا ہے؟“

”میں کیا سوچ سکتا ہوں؟ یہ کیس میرے ہاتھ کا نہیں ہے۔ ملزم کشور کسی بین الاقوامی ریکٹ سے متعلق لگتا ہے۔ ڈی سی پی صاحب کا حکم ہے کہ ایسے کسی کیس میں کسی ملزم کی ضمانت نہ لی جائے۔“

گوتم داس کو لگا جیسے کہیں قریب ہی زوردار دھماکہ ہوا ہے۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”ایس ایس پی صاحب! میرا بیٹا بالکل بے قصور ہے۔ اس نے کبھی کوئی چھوٹا موٹا جرم بھی نہیں کیا۔ وہ کسی انٹرنیشنل ریکٹ کا رُکن کیسے ہو سکتا ہے؟“

”اُس کے بیگ سے براؤن شوگر برآمد ہوئی ہے۔ اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا۔“

”مگر وہ چیز اُس کے بیگ میں کوئی اور بھی تو رکھ سکتا ہے۔“

”قانون صرف یہ دیکھتا ہے کہ چوری کا یا ممنوعہ مال کس کے پاس سے برآمد ہوا ہے۔ قانون کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ ملازم کے پاس وہ مال کہاں سے آیا۔“

”چوہان صاحب!“ بیرسٹر پانڈے نے کہا۔ ”کوئی راستہ نکل سکتا ہے؟...... ذرا سوچ کر بتایئے۔“

”بیرسٹر صاحب! اگر یہ لوکل کرمنل کیس ہوتا تو کوئی راستہ نکالا جا سکتا تھا۔“

”تو پھر ملزم کب تک ضمانت پر رہا ہو سکتا ہے؟“

”ابھی تو اسے پوچھ گچھ کے لئے پولیس ریمانڈ پر لیا جائے گا۔ یہ ریمانڈ کب تک لیا جائے گا، اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔“

گوتم داس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔ کچھ دیر میں جب وہ باہر نکل رہا تھا تو اُس نے بیرسٹر پانڈے سے پوچھا۔ ”پانڈے جی! کیا کوئی راستہ نہیں؟......

آپ روپے پیسے کی پرواہ نہ کریں، دس بیس لاکھ بھی خرچ ہو جائیں تو میں تیار ہوں۔''

''اس کیس میں دس بیس لاکھ تو کیا، دس بیس کروڑ سے بھی کام نہیں چلے گا۔ ہاں اگر کوئی ایسی سفارش مل جائے جو نئی دہلی تک ہو تو بات بن سکتی ہے۔'' بیرسٹر پانڈے بولا۔ باتیں کرتے ہوئے اب وہ باہر پہنچ چکے تھے۔ پانڈے نے مزید کہا۔ ''گوتم داس جی! میں آپ کے لئے کچھ نہ کر سکا، مجھے افسوس ہے، مگر ایک ترکیب ہے۔''

''جلدی بتایئے!''

''آپ کے سمدھی رمیش بابو کی ایک دوست ہیں دیویانی......''

''ہاں ہاں تو؟''

''اس موقع پر صرف دیویانی ہی آپ کے کام آ سکتی ہیں۔ میں اس سمندر کا پرانا مگرمچھ ہوں اور یہاں کی چھوٹی مچھلی سے لے کر شارک مچھلی تک کے بارے میں جانتا ہوں۔ دیویانی کی رسائی بڑے بڑے لیڈروں اور وزیروں تک ہے۔'' پانڈے یہ کہہ کر آگے بڑھا اور اپنی کار میں بیٹھ گیا۔

❁......❁
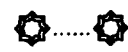
دیویانی نے ڈائننگ ٹیبل پر لنچ لگوایا۔ رمیش بھی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا تو اُس نے کہا۔ ''کتنے اچھے لگتے ہو تم اس کرسی پر بیٹھے ہوئے؟''

''لنچ کر کے اُٹھ جاؤں گا تو برا لگوں گا۔ بہرحال یہ بتاؤ کہ آج خاص طور پر بنگلے پر کیوں لائی ہو مجھے؟''

''اس کی وجہ تھوڑی دیر بعد سامنے آ جائے گی۔'' دیویانی بولی۔ پھر وہ دونوں کھانا کھانے لگے۔ اسی دوران دیویانی نے کہا۔ ''پتہ نہیں وہ خوش بختی کا دن کب آئے گا جب تم روزانہ اسی جگہ بیٹھ کر ناشتہ، لنچ اور ڈنر کیا کرو گے۔''

''ایسے خواب نہ دیکھا کرو دیویانی، جن کی تعبیر ممکن نہ ہو۔''

دیویانی مسکرا دی اور وہ دونوں لنچ کرنے لگے۔

اچانک دروازے کی گھنٹی بجی۔ دیویانی نے دروازہ کھولا تو سامنے ہی گوتم داس

کھڑا تھا۔ اُس کے چہرے پر وحشت تھی اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے۔ رمیش بھی اُٹھ کر آگے آ گیا اور حیرت سے بولا۔ ''ارے گوتم داس جی، آپ؟...... سب ٹھیک تو ہے نا؟...... اندر آیئے۔''

گوتم داس نے اندر آ کر رمیش کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''کیا ہوا؟'' رمیش نے پوچھا۔

''رمیش بابو! میرے بیٹے اور اپنے داماد کو بچا لیجئے۔''

''کشور کو؟...... مگر وہ تو...... کیا وہ امریکہ سے واپس آ گیا؟''

''جی کل آیا تھا اور ایئر پورٹ پر براؤن شوگر کے ساتھ گرفتار ہو گیا۔''

''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟...... کشور اور براؤن شوگر کا اسمگلر؟...... آپ کا بیٹا اتنا برا تو نہیں ہے۔''

''رمیش بابو! وہ میرا بیٹا ہی نہیں، آپ کا داماد بھی ہے۔''

''میرا داماد؟...... مگر ابھی عدالت نے فیصلہ کب دیا ہے؟''

''سب سے بڑی عدالت اپنے ضمیر اور انسانیت کی عدالت ہوتی ہے۔ ہماری آنکھیں کھل چکی ہیں۔ ہم نے اپنی بہو کو تکلیف دی تھی، اُسی کی سزا ہمیں مل رہی ہے۔ کشور پر الزام ہے کہ وہ کسی انٹرنیشنل ریکٹ سے وابستہ ہے۔ پولیس اُس کا ریمانڈ لینا چاہتی ہے، ضمانت بھی نہیں ہو رہی۔''

''اوہ!...... تو آپ کو اور آپ کی شریمتی کو انسانیت یاد آ گئی...... مگر اُسے...... کشور کو بھی کچھ یاد آیا کہ نہیں؟''

''رمیش بابو! آج آپ ہمیں جتنا دل چاہے ذلیل کر لیجئے لیکن دیویانی بہن سے کہہ کر کشور کو بچا لیجئے۔ اُس کی ماں بستر سے لگ گئی ہے۔ اب کشور پر ہم سے زیادہ ہماری بہو کا حق ہے۔ یہ بات ہم بھگوان کو گواہ بنا کر دل سے کہہ رہے ہیں۔ بیرسٹر پانڈے کا کہنا ہے کہ صرف دیویانی جی ہی ہمیں اس آزمائش سے......''

رمیش نے گوتم داس کی بات کاٹ دی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''گوتم داس جی! آپ کا بیٹا، امرتا کا پتی اور ہمارا داماد ہونے سے پہلے آپ کا بیٹا زیادہ ہے۔ اولاد پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو باپ کے دل پر کیا گزرتی ہے، اس

کا اندازہ مجھ سے زیادہ اور کون کر سکتا ہے۔ جائیے کل کسی وقت کشور کی ضمانت ہو جائے گی۔ ہماری کوشش ہو گی کہ جلد از جلد اس کے اوپر سے یہ الزام بھی ختم ہو جائے۔''

''رمیش بابو! میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔'' یہ کہتے ہوئے گوتم داس رو پڑا۔

رمیش نے اُسے تسلی دی۔ پھر وہ دیویانی کے ساتھ گوتم داس کو باہر اُس کی کار تک چھوڑنے آیا۔

گوتم داس چلا گیا تو رمیش نے دیویانی سے کہا۔ ''تو تم نے ایسا تیر چلایا جو نشانے پر بیٹھا!...... بہرحال کشور کو کل تک چھوٹ جانا چاہیے۔''

''یقیناً! ایسا ہی ہو گا۔'' دیویانی نے مسکرا کر رمیش کے گلے میں باہیں ڈالنا چاہیں۔

''نو فاؤل!'' رمیش نے دھیرے سے اور نرمی کے ساتھ دیویانی کے ہاتھ ہٹا دیئے۔

دیویانی ٹھنڈا سانس لے کر رہ گئی۔

۞......۞
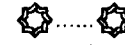
امرتا نے دروازے پر دستک سنی تو کچن سے نکل آئی۔ اُس نے دروازہ کھولا تو باہر کھڑی ہوئی دیویانی سیدھی اندر گھستی چلی آئی۔

''پہچانا مجھے؟...... میں دیویانی ہوں۔'' وہ مسکرائی اور اپنا تعارف کرایا۔

''دیویانی آنٹی!'' امرتا خوشی سے چیخ اُٹھی۔

''جلدی کرو، تیار ہو جاؤ! تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے...... تمہیں شاید معلوم نہ ہو کہ کشور رہا ہو گیا ہے اور تمہاری رخصتی کا مہورت بھی نکل چکا ہے۔ ورشا انتظام میں لگی ہے ورنہ تمہیں لینے وہی آتی۔ ویسے بھی مجھے تو آنا تھا کیونکہ ورشا کے ساتھ تمہاری ماں تمہیں کبھی نہ بھیجتی۔''

معاً سلوچنا کمرے سے نکل آئی اور بولی۔ ''تو لے جا اسے اپنے ساتھ!...... ڈائن میرے پتی کو ہڑپ کر گئی، اب میری بیٹی کو بھی بہکانے آ گئی۔''

اس پر دیویانی مسکرائی اور کہا۔ ''اے بڑھیا! تیرے بغیر تیری بیٹی کی رُخصتی میں کیا خاک مزہ آئے گا؟''

سلوچنا غصے میں دیویانی پر جھپٹی۔ دیویانی نے ہنستے ہوئے اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

''امرتا!'' دیویانی نے آواز لگائی۔ ''جلدی کرو، دیر نہ لگاؤ اور انوپ کو بھی ساتھ لے لو۔''

''انوپ تو صبح ہی ڈیڈی کے پاس چلا گیا تھا۔ اُنہوں نے نیچے پی سی او پر پیغام بھجوایا تھا۔''

''اچھا تم آ جاؤ...... میں اس بڑھیا کو لے کر نیچے جا رہی ہوں۔''

سلوچنا کوشش کرتی رہی کہ دیویانی سے اپنے ہاتھ چھڑا لے، مگر ناکام رہی۔ دیویانی اُسے اطمینان کے ساتھ نیچے لے آئی۔

کچھ ہی دیر بعد اُس کی کار سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ سلوچنا دانت پیس پیس کر اُسے کوس رہی تھی اور زار و قطار رو بھی رہی تھی۔

۞......۞

رمیش کی کار دیویانی کے بنگلے پر پہنچی تو بنگلہ کسی دُلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ باہر مہمانوں کی چمچماتی کاریں کھڑی تھیں۔ دروازے پر شہنائی بج رہی تھی۔ کار سے اُتر کر رمیش اندر گھسا تو شنکر اور ورشا دروازے ہی پر مل گئے۔ وہ مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے، اندر انوپ بھی کام میں مصروف تھا۔

ورشا نے مسکرا کر کہا۔ ''دیویانی آنٹی اندر ہیں۔''

رمیش آگے بڑھا تو سامنے سے دیویانی آتی دکھائی دی۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ''آئیے بڑے دولہے میاں!'' ورشا بھی رمیش کے پیچھے ہی تھی۔ دیویانی نے اُس سے کہا۔ ''ارے بھئی بڑے دولہے میاں کی دُلہن کو تو بلاؤ۔''

ورشا اندر آ گئی۔ جب وہ واپس آئی تو رمیش بابو حیران رہ گئے۔ ورشا کے ساتھ سلوچنا بھی تھی جس کے جسم پر قیمتی ساڑھی تھی، گلے میں ہیروں کے ہار تھے، کلائیوں میں قیمتی سونے کے کنگن، بال ڈائی کیے ہوئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی ابھی

پارلر سے آئی ہو۔ رمیش کے تصور میں اکیس برس پہلے کی نوجوان، الہڑ اور حسین سلوچنا گھوم گئی۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''سلوچنا۔''

سلوچنا، رمیش کے کاندھے سے لگ کر رو پڑی۔ رمیش نے جھینپ کر دیویانی کی طرف دیکھا۔ دیویانی مسکرائی اور کہا۔ ''رمیش! میں جانتی ہوں کہ تم ساری دنیا چھوڑ سکتے ہو مگر اپنا گھر، اپنا خاندان نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم دونوں صرف دوست ہیں اور اس رشتے کی پاکیزگی پر تم نے آج تک آنچ نہیں آنے دی۔ شنکر اور ورشا کی شادی کے بعد یہ رشتہ اور مضبوط ہو گیا ہے کیونکہ ورشا تمہاری منہ بولی بیٹی ہے اور شنکر نے میری کوکھ سے جنم لیا ہے۔''

''کیا؟...... شنکر تمہارا بیٹا ہے؟''

''ہاں، اُس کی ولادت کے بعد میرے شوہر نے اُسے مجھ سے صرف اس لئے دُور کر دیا تھا کہ میں ایک بیٹے کی ماں ہونے کے سبب سوسائٹی...... نام نہاد سوسائٹی کے لئے زیادہ قابل قبول نہیں رہوں گی۔ شنکر لاوارثوں کی طرح پلا ہے...... اسے کیا معلوم کہ...... کہ میں اس کی ماں ہوں۔'' دیویانی کی آواز قدرے بھاری ہو گئی، مگر جلد ہی اُس نے خود پر قابو پا لیا اور سلوچنا کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''اے بڑھیا! کیا میں تمہارے پتی کی آدھی گھر والی، یعنی سالی بن کر نہیں رہ سکتی؟''

زبان سے کچھ کہے بغیر اچانک سلوچنا، دیویانی سے لپٹ گئی۔ ٹھیک اُسی وقت شور اُٹھا۔ ''بارات آ گئی۔''

رمیش، سلوچنا اور دیویانی باہر آ گئے جہاں شنکر اور ورشا کے ساتھ اُنہوں نے بارات کا استقبال کیا۔ کشور دولہا بنا ہوا تھا۔ اُسی کے دائیں بائیں گوتم داس اور نندیتا تھے۔ بارات اندر آ گئی۔ دیویانی نے شنکر سے کہا۔ ''وکیل صاحب کو بلاؤ!''

وکیل صاحب ذرا دیر میں کچھ کاغذات لے کر آ گئے۔

''کیسے کاغذات ہیں یہ؟'' گوتم داس نے پوچھا۔

''ایک فارمیلٹی ہے۔ کشور کے دستخط ان کاغذات پر ضروری ہیں تاکہ ہماری بیٹی کو تحفظ حاصل رہے۔''

کشور نے چپ چاپ اُن کاغذات پر دستخط کر دیئے۔

رمیش نے ورشا سے کہا۔ ''جاؤ بیٹی، امرتا کو لے آؤ۔ دولہا دُلہن اپنے بزرگوں کے قدم چھو لیں اور ایک دوسرے کے گلے میں ہار ڈال دیں۔''

ورشا اندر آ گئی اور امرتا کو لے آئی جو دُلہن بن کر غضب ڈھا رہی تھی۔ دولہا دُلہن ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ معاً ''تڑاخ'' کی زوردار آواز آئی۔ امرتا نے کشور کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ کشور حواس باختہ ہو گیا۔ گوتم داس اور نندیتا بھی گم صم تھے۔ کشور نے حیرت سے کہا۔ ''امرتا!''

''اپنی گندی زبان سے میرا نام مت لو!...... اب تم میرے پتی نہیں۔ تم ابھی جن کاغذات پر دستخط کر چکے ہو، وہ طلاق کے کاغذات تھے...... کشور! میں نے تم سے پیار کیا تھا، مگر تم نے مجھے دھوکہ دیا۔ میں نے تمہارے ساتھ پھیرے کر کے ایک مقدس رشتے کی بنیاد رکھی اور تم نے اُس رشتے کی توہین کی...... تم...... تم کشور...... ستمگر نکلے۔ تم نے میرے ساتھ پھیروں کا ڈھونگ رچایا۔ تم صرف ہوس کے غلام ثابت ہوئے اور عشق...... عشق کو تم نے شرمسار کیا۔ دیکھو پیار اسے کہتے ہیں۔ ڈیڈی، دیویانی آنٹی سے پیار کرتے تھے، مگر سچا پیار!...... اور تم...... آئی ہیٹ یو!''

نندیتا بولی۔ ''تو پھر اس ڈرامے کی کیا ضرورت تھی؟...... بارات بلائی، ہمارے مہمانوں کو ذلیل کیا اور......''

رمیش نے بات کاٹ دی۔ ''آپ نے بھی تو ایک بار میری بیوی اور بیٹی کو ذلیل کیا تھا...... دوسری بار آپ نے انہیں اپنے بنگلے میں بے عزت کیا۔ میں نے آپ سے غالباً کہا تھا کہ آپ کا جواب مجھ پر اُدھار ہے۔ اب وہ جواب آپ کو مل گیا ہے۔ کشور نے میری بیٹی کے ساتھ ایک سنگین اور ناقابل معافی سلوک کیا، سو اُس کے دامن پر بھی اسمگلنگ کا داغ لگ چکا ہے جو زندگی بھر نہیں دُھل سکے گا...... نہ جانے اسے کتنے برس جیل میں رہنا ہوگا۔'' یہ کہہ کر رمیش، دیویانی سے مخاطب ہوا۔ ''ابھی تو ہمارے سبھی معزز مہمان موجود ہیں، ان کی موجودگی میں وہ نیک کام انجام دے ڈالو۔''

پھر ایک طرف سے قنات ہٹائی گئی جہاں لگن منڈپ بنا ہوا تھا۔ وہیں ایک پٹڑے پر اُجے دولہا بنا ہوا بیٹھا تھا۔ دوسرے پٹڑے پر ورشا نے امرتا کو لا کر بٹھا

دیا۔ پنڈت جی نے اشلوک پڑھنا شروع کئے۔ رمیش نے امرتا کا کنیا دان کیا۔

پھیروں کے بعد جب اجے اور امرتا نے سلوچنا، دیویانی اور رمیش کے پیر چھوئے تو رمیش نے امرتا کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ ''بیٹی! اب زندگی بھر کوئی دُکھ تیرے قریب نہیں آئے گا۔ کیونکہ تیرے باپ نے تیرا کنیادان کیا ہے۔ بابل کی دُعائیں اب ہمیشہ تیرے ساتھ رہیں گی۔''

امرتا بے قابو ہو کر رمیش سے لپٹ گئی اور رونے لگی۔ رمیش کی آنکھوں میں بھی خوشی کے آنسو تھے......!!

(ختم شد)